دارالعلوم دیوبند کا ترجمان

ماہنامہ

دارالعلوم

جلد: ۱۰۲	شوال-ذیقعدہ ۱۴۳۹ھ مطابق جولائی ۲۰۱۸ء	شمارہ: ۷

نگراں	مدیر
حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی مہتمم دارالعلوم دیوبند	مولانا محمد سلمان صاحب بجنوری استاذ دارالعلوم دیوبند

ترسیل زر کا پتہ: دفتر ماہنامہ دارالعلوم دیوبند- ۲۴۷۵۵۴ یوپی

Tel. : 01336-222429 Fax : 01336-222768
Web : http://www.darululoom-deoband.com
www.darululoom-deoband.com/urdu/magazine
E-mail: info@darululoom-deoband.com

DARUL ULOOM Monthly (Urdu)
R. N. I. No.: 2133/57
Vol. No. 102, Issue No. 7, July 2018 जुलाई **2018**
Printer Publisher :- Maulana Abul-Qasim Numani
Editor :- Maulana Mohammad Salman Bijnori
Owner :- Darul Uloom Grush.
Place of Publication :- Deoband, Saharanpur, U.P.
Printed at: Mukhtar Printing Press Mohalla Bar Ziyaul Haq
Talehari Chungi. Deoband, Saharanpur. U.P.

Rs. 20/=	Annual Subscription Rs. 200/=

Annual by Regd Post. Rs. 440/=

سعودی عرب، افریقہ، برطانیہ، امریکہ، کناڈا وغیرہ سے سالانہ -/۱۴۰۰ روپے
بنگلہ دیش سے سالانہ -/۷۰۰ روپے، پاکستان سے ہندوستانی رقم -/۷۰۰ روپے

فہرست مضامین

	حرف آغاز	محمد سلمان بجنوری	۳
ذکر صحابہؓ	امامِ تدبیر وسیاست، صحابیِ رسول		
	حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ	عبدالصمد ساجد	۷
شخصیات	امامِ اہل سنت ابومنصور ماتریدیؒ	مدثر جمال تونسوی	۱۱
//	حضرت مفتی نظام الدین اعظمیؒ		
	یادیں اور باتیں	مولانا اشتیاق احمد قاسمی	۱۸
اصلاح معاشرہ	جہیز کے چور دروازے	محمد طارق اعظم قاسمی	۲۸
ذکر رفتگاں	جانشینِ حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ	مولانا نور عالم خلیل امینی	۳۶
مسائل وفتاویٰ		مفتیانِ دارالعلوم دیوبند	۵۲
نئی کتابیں		محمد سلمان بجنوری	۵۴
احوال وکوائف		مولانا محمد اللہ قاسمی	۵۵

ختم خریداری کی اطلاع

- یہاں پر اگر سرخ نشان ہے تو اس بات کی علامت ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے۔
- ہندوستانی خریدار منی آرڈر سے اپنا چندہ دفتر کو روانہ کریں۔
- ایک سال کے لیے اگر بذریعہ رجسٹری طلب فرمائیں تو =/440 روانہ فرمائیں۔
- ہندوستان و پاکستان کے تمام خریداروں کو خریداری نمبر کا حوالہ دینا ضروری ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرف آغاز

محمد سلمان بجنوری

مدارس اسلامیہ کا تعلیمی سال شروع ہورہا ہے، رمضان کی تعطیلات کے بعد امتحان داخلہ کی سرگرمیاں جاری ہیں اور طالبان علوم نبوت کا قافلہ تازہ دم ہوکر ازسرِنو سرگرم عمل ہونے کے لیے تیار ہے، ایسے میں وقت کا ایک تقاضا تو یہ ہے کہ اس قافلۂ خیر کے یاران باصفا سے کچھ باتیں کی جائیں۔ دوسری طرف رمضان میں اور رمضان کے بعد بھی اخبارات میں مدارس اسلامیہ کے موضوع پر کچھ ایسے مضامین شائع ہوئے جن پر کچھ عرض کرنا ضروری ہے۔ بعض حضرات نے تو خیرخواہانہ انداز میں مدارس کے حالات ومعاملات پر گفتگو کی ہے؛ لیکن بعض صحافی حضرات نے نہایت معاندانہ لہجہ اختیار کرتے ہوئے مدارس کو مطعون کیا اور نشانہ بنایا ہے، خصوصاً روزنامہ ''انقلاب'' میں شائع ہونے والا مضمون بعنوان ''اے طائرلاہوتی الخ''۔ ایسے حضرات کی تحریروں کا تجزیہ کرنا بہت ضروری ہے؛ لیکن اس کو ہم اگلی فرصت کے لیے مؤخر کرنے پر مجبور ہیں، سردست ایسے حضرات کی خدمت میں اختصار کے ساتھ دوتین باتیں عرض کرنا چاہتے ہیں:

پہلی بات یہ کہ آپ نے مدارس اوران کے ذمہ داران سے جس لہجہ میں بات کی ہے اور جیسی گھٹیا زبان استعمال کی ہے، اس سے نہ تو اصلاحِ احوال میں کوئی مدد مل سکتی ہے اور نہ ہی اس سے کسی خیرخواہی یا حسنِ نیت کا احساس ہوتا ہے؛ بلکہ کھلے طور پر عناد جھلکتا ہے۔ دوسری بات یہ کہ آپ کی تحریر پڑھ کر اگرچہ یہ محسوس ہوتا ہے کہ آپ مدارس کے بارے میں تفصیلی معلومات رکھتے ہیں؛ لیکن تحریر کا رُخ یہ بتاتا ہے کہ آپ نے یا تو ان معلومات کو نظرانداز کرکے سب کو ایک ڈنڈے سے ہانکنے کی کوشش کی ہے یا پھر آپ کے پاس صحیح معلومات ہی نہیں ہیں۔ اگر آپ مدارس کی اصلاح کے لیے مخلص ہیں تو یہ طرزِعمل اس سے میل نہیں کھاتا اور یہ انداز بات کو اصلاحی رُخ دینے کے بجائے طعن وتشنیع کی طرف لے جاتا

ہے۔ ہاں! اگر آپ ان باتوں کے ذریعے مدارس کی اصلاح کے بجائے اُن کو گردن زدنی قرار دینا چاہتے ہیں اور اُن طاقتوں کی نمائندگی کرتے ہیں جن کو مدارس کا وجود ایک آنکھ نہیں بھاتا تو پھر ہمیں آپ سے یا اُن سے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں رہ جاتی۔ پھر تو ہم صرف اتنا کہنا کافی سمجھتے ہیں کہ ؎

وہ رہیں صاحبِ ملک دار ورسن
ہم بھی اپنے زمانے کے منصور ہیں

❁ ❁ ❁

آغازِ سال کی مناسبت سے اپنے عزیز طلبہ سے بھی چند باتیں کرنا ضروری ہے:

(۱) آپ اپنے گزشتہ تعلیمی سال کی کارکردگی اور نتائج کا گہرائی سے جائزہ لیں اور یہ متعین کریں کہ آپ کا گزشتہ سال کیسا رہا؟ کیا اس نے آپ کو علمی میدان میں آگے بڑھایا؟ یا آپ سے کچھ ایسی کوتاہیاں ہوئیں جن کا نقصان آپ کو اب اٹھانا پڑ رہا ہے۔

(۲) جن طلبہ نے اپنے قدیم مدارس سے منتقل ہوکر دارالعلوم دیوبند یا دیگر مرکزی مدارس میں داخلہ لینے کی کوشش کی ہو، اُن کے لیے اپنے حالات کا تجزیہ کرنا اور زیادہ آسان ہوگا، مثلاً یہ کہ جن کا داخلہ نہیں ہوسکا وہ اپنی کوتاہیوں پر گہری نظر ڈالیں اور یہ محسوس کرنے کی کوشش کریں کہ کہاں کمی رہ گئی ہے، اپنی کمزوریوں کو نشان زد کرکے اُن کو دور کرنے کے لیے محنت کریں۔

(۳) جو طلبہ بڑے مدارس میں داخلہ لینے میں کامیاب ہوگئے ہیں وہ بھی اسی پر قناعت کرکے نہ بیٹھ جائیں؛ بلکہ مزید محنت کرکے آگے بڑھنے کی کوشش کریں، کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ طالب علم امتحانِ داخلہ کے لیے انتھک محنت کرکے داخلہ لینے میں کامیاب ہوجاتا ہے؛ لیکن بعد میں پھر سستی کا شکار ہوکر پیچھے چلا جاتا ہے۔

(۴) تمام ہی طلبہ، وقت کی قدر کریں، اس کے لیے ضروری ہے کہ چوبیس گھنٹے کا نظام الاوقات بنالیں اور اس کو تحریر کرکے اپنے کسی استاذ کو دکھالیں، پھر سارے سال اُس کی پابندی کریں اس سلسلے میں یہ اصول یاد رکھیں کہ ہر کام کے لیے ایک وقت مقرر ہونا اور ہر وقت کے لیے ایک کام مقرر ہونا، کامیابی کے لیے ضروری ہے۔

(۵) تمام طلبہ اس بات کو ہر وقت یاد رکھیں کہ وہ کسی معمولی چیز کے حصول کے امیدوار نہیں ہیں؛ بلکہ میراث نبوت کے طالب ہیں جس کا تقاضا یہ ہے کہ اُن کا کردار کسی بھی دوسرے طبقہ سے اعلیٰ ہونا چاہیے۔ نمازوں کی پابندی کے لیے اُن کو دارالاقامہ کی نگرانی یا تنبیہ کا محتاج نہیں ہونا چاہیے،

آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ اُن کا معاملہ خیرخواہی اور محبت واحترام پر مبنی ہو، اساتذہ کا دل سے احترام اور نظامِ مدرسہ کی پابندی اُن کا شعار ہو، مختصر یہ کہ عبادات، معاملات اور معاشرت واخلاق میں اُن کا کردار مثالی ہو۔ یہ اُن کی کامیابی کے لیے لازمی شرط ہے۔

❁ ❁ ❁

''ترکِ دانا'' کی فتح

۲۴؍جون ۲۰۱۸ء کو ترکی میں صدارتی انتخابات ہوئے جن میں ترک صدر جناب رجب طیب اردوغان نے واضح اکثریت حاصل کرلی اور ۲۰۲۳ء تک اُن کا اس منصب پر برقرار رہنا یقینی ہوگیا۔ اس الیکشن پر ساری دنیا کا میڈیا گہری نظر رکھے ہوئے تھا اور اسے ترکی کی تاریخ میں نہایت اہم الیکشن کی حیثیت سے دیکھا جارہا تھا۔ اس کی اہمیت کی وجہ بنیادی طور پر یہ تھی کہ اس الیکشن میں کامیاب ہونے والے حکمراں کو ۲۰۲۳ء تک اقتدار میں رہنا تھا اور ۲۰۲۳ء میں ترکی اس ''معاہدۂ لوزان'' سے آزاد ہونے والا ہے جو ۱۹۲۳ء میں سوئزرلینڈ کے شہر ''لوزان'' میں، عالمی اتحادی طاقتوں اور ترکی حکومت کے درمیان طے پایا تھا جس سے عثمانی خلافت کا خاتمہ، خلافت کے اثاثوں اور خلیفہ کے ذاتی اثاثوں کی ضبطی اور اُن کی اپنے خاندان سمیت جلاوطنی کے علاوہ ترکی اور اس کے پڑوسی ممالک کی سرحدوں کی تعیین کی گئی تھی اور شام سمیت دیگر ممالک کو ترکی سے علیحدہ کرکے مستقل ممالک کی حیثیت دی گئی تھی، اس معاہدے کی جو دفعہ آج تک ترکی معیشت اور پالیسیوں کو متاثر کیے ہوئے ہے وہ یہ تھی کہ ترکی سو سال تک اپنی سرزمین میں یا باہر کہیں بھی تیل کی دریافت کے لیے کھدائی نہیں کرے گا؛ بلکہ اپنی ضرورت کا سارا تیل درآمد کرے گا، دوسرے یہ کہ ترکی اپنی اہم ترین بحری گذرگاہ ''باسفورس'' سے گذرنے والے جہازوں سے کوئی ٹیکس نہیں لے گا۔

اب ظاہر ہے کہ یہ معاہدہ ۲۰۲۳ء میں جب اپنی مدت پوری کرکے بے اثر ہوجائے گا تو ترکی کو تیل کی کھدائی اور باسفورس پر ٹیکس لگانے جیسے اختیارات حاصل ہوجائیں گے اور اس کو اپنی معیشت کے حوالے دوررس فیصلے کرنے کا موقع ملے گا۔ ایسے اہم تاریخی وقت میں اقتدار جس کے ہاتھ میں ہوگا اس کے نظریات پالیسیوں پر اثرانداز ہوں گے۔ اس لیے تمام اسلام پسند ذہن رکھنے والے لوگ دل سے اس بات کے متمنی تھے کہ اس الیکشن میں اردوغان فتح سے ہمکنار ہوجائیں، جنھوں نے گذشتہ عرصہ میں اپنے اسلامی کردار اور ترکی کی ترقی کے حوالے سے اپنے اقدامات کے نتیجہ میں دنیا کے اسلام

پسندوں میں بے نظیر مقبولیت حاصل کرلی ہے؛ چنانچہ اگر ایک طرف مغربی طاقتیں کھلے طور پر اردوغان مخالف امیدواروں کی حمایت کررہی تھیں تو دوسری طرف اسلامی ذہن اردوغان کی کامیابی کا دل سے خواہاں تھا اور اس کے لیے دعائیں کررہا تھا، اللہ تعالیٰ نے یہ دعائیں سُن لیں اور رجب طیب اردوغان واضح اکثریت سے اگلے پانچ سالوں کے لیے ترکی کے صدر بن گئے۔

اب آنے والا وقت ہے اور دنیا بھر کے اسلام پسندوں کی وہ بھاری توقعات ہیں جو عالم اسلام کے گذشتہ چند سالوں کے حالات سے قدم قدم پر مایوسی ہاتھ آنے کی وجہ سے انھوں نے صدر اردوغان سے وابستہ کی ہیں۔ بلاشبہ وہ ایک کرشماتی شخصیت کے مالک ہیں، ان میں قوت فیصلہ بھی ہے اور قوت نفاذ بھی اور یقیناً وہ ایک دینی مزاج کے انسان ہیں؛ لیکن ظاہر ہے، ان کے سامنے مشکلات ومسائل اور چیلنجوں کا ایک پہاڑ کھڑا ہوا ہے، جو اُن کی راہ کو مشکل بناتا ہے، مزید یہ کہ ترکی کے حالیہ ناکام انقلاب کے بعد (جس کا الزام گولن تحریک کے سر ہے) اردوغان کے اقدامات اور ایک قدرے سخت گیر حکمراں کی ان کی شبیہ بھی کچھ لوگوں کی نظر میں ایک الگ حیثیت رکھتی ہے، ایسے میں دعاء ہی کی جاسکتی ہے کہ خدا کرے یہ مسلم قائد، عالم اسلام کے ان تمام مسلمانوں کی توقعات پر پورا اترے جو ہر طرف سے مایوس ہوکر اس سے بڑی امیدیں لگائے ہوئے ہیں، ہم امید کرتے ہیں کہ جناب اردوغان آئندہ اپنی بصیرت سے اپنے آپ کو ''ترک دانا'' کے اس لقب کا مصداق ثابت کریں گے جو بعض بزرگ معاصر اہل قلم نے اُن کو دیا ہے۔

❁ ❁ ❁

امامِ تدبیر وسیاست، صحابیِ رسول حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ

از: عبدالصمد ساجد

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ بعثتِ نبوی سے پانچ سال قبل خاندانِ بنوامیہ کے چشم وچراغ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے گھر پیدا ہوئے، ربِ لم یزل نے روزِ آفرینش ہی سے آپ کو گوناگوں عمدہ خصال وعادات اور صفات سے نواز رکھا تھا، ظاہری حسن وجمال، باطنی خوبیوں، اولوالعزمی وبلند ہمتی اور رشد وہدایت کے آثار بچپن ہی سے عیاں ونمایاں تھے؛ تاہم آپ نے باقاعدہ اسلام کا اظہار فتح مکہ کے موقع پر کیا؛ جب کہ پوشیدہ طور پر آپ حدیبیہ کے موقع پر اسلام لاچکے تھے۔

یہ بھی آپ رضی اللہ عنہ کا اعزاز ہی تصور کیا جائے گا کہ آپ نے اسلام سے پہلے بھی مسلمانوں کے خلاف کسی جنگ میں شرکت نہیں کی، آپ رضی اللہ عنہ ان نصیبہ وراور خوش بخت شخصیات میں سے ہیں جنہیں بارگاہِ نبوت میں بارہا حاضری کا موقع نصیب ہوا اور سراجِ منیر کی ضیاء پاش کرنیں ان پر پوری پوری پڑیں اور انہیں نورِ ایمان وتقویٰ سے منور اور روشن کیا۔

آپ نہ صرف صحابیِ رسول ہیں بلکہ کاتبِ وحی، محبِّ رسول، محبوبِ رسول، رسول اللہ ﷺ کے معتمد اور آپ کی خاص دعاؤں کے مصداق بھی ہیں، آپ رضی اللہ عنہ کے فضائل ومناقب قرآن وسنت اور اقوالِ سلف صالحین سے واضح اور روشن ہیں، آپ کے فضائل کے بیان میں اول تو یہ بات خوب ذہن نشین رہنی چاہیے کہ وہ تمام فضائل ومناقب جو مطلقاً بغیر کسی تقیید وتخصیص کے مجموعی طور پر جماعتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے وارد ہوئے ہیں ان کا مصداق جہاں پوری جماعتِ صحابہ ہے بعینہٖ اسی طرح ان فضائل وکرامات میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بھی برابر کے شریک وسہیم ہیں، علاوہ ازیں خاص آپ رضی اللہ عنہ کے بھی بہت سے فضائل وارد ہوئے ہیں، سردست چند ایک پیشِ خدمت ہیں:

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ان چند منتخب اور چنیدہ بختاور افراد میں سے ہیں جن کو بارگاہِ نبوت

علیہ الصلاۃ والسلام سے کتابتِ وحی کا شرف حاصل تھا اور وہ وحیِ الٰہی لکھا کرتے تھے، ان کاتبینِ وحی کی فضیلت، کرامت اور شرافت قرآن حکیم نے بیان کی ہے،

بِأَيْدِي سَفَرَةٍ ، كِرَامٍ بَرَرَةٍ [سورة العبس، الاية ١٥، ١٦]

یعنی یہ قرآن ایسے لکھنے والوں کے ہاتھ میں ہے جو باعزت، پاکباز اور نیکوکار ہیں۔

حضرت ابنِ عباسؓ کہتے ہیں کہ جبرائیلِ امینؑ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا اے محمد ﷺ! معاویہ کو وصیت کیجیے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کے امین ہیں اور بہت اچھے امین ہیں۔[تطہیر الجنان]

صادق وامین پیغمبرِ دوعالم ﷺ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی منزلت ومرتبت واشگاف الفاظ میں بیان فرمائی اور آپ کو نیک دعاؤں سے نوازا؛ چنانچہ فرمایا:

اللَّهُمَّ اجْعَلْهُ هَادِيًا مَهْدِيًّا وَاهْدِ بِهِ [جامع ترمذی، جلد ۲، صفحہ ۲۴۷،]

ترجمہ: اے اللہ معاویہ رضی اللہ عنہ کو راہنما اور ہدایت یافتہ اور ان کے ذریعے ہدایت پھیلا۔

دوسری جگہ آپؐ کی علمی وفنی ترقی اور فلاحِ آخرت کی دعا فرمائی۔

اللهُمَّ عَلِّمْ مُعَاوِيَةَ الْكِتَابَ وَالْحِسَابَ وَقِهِ الْعَذَابَ "

[مسند أحمد، ٣٨٣/٢٨، رقم الحديث ١٧١٥٢]

ترجمہ۔ اے اللہ! معاویہ کو کتاب اللہ اور حساب کا علم عطا فرما اور عذاب سے محفوظ فرما۔

حضور ﷺ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو قیمتی نصائح سے بہرہ ور فرمایا، مسندِ احمد ہی میں ہے آں حضرت ﷺ نے حضرت معاویہ کو نصیحت فرمائی کہ اے معاویہ! اگر تمہیں حکومت دی جائے تو تقوی اختیار کرنا اور عدل وانصاف سے کام لینا۔[رقم الحدیث ۱۶۹۳۳]

حضور سرورِ کونین ﷺ کا مذکورہ ارشاد جہاں معاویہؓ سے خیر خواہی پر مبنی ہے وہیں اس میں ایک گنا حضرت معاویہؓ کی حکومت وخلافت کا اشارہ بھی موجود ہے۔

ایک اور مقام پر ارشاد مبارک فرمایا:

ہر نبی کا ایک راز دار ہوتا ہے اور میرے راز دار معاویہ ہیں جو ان سے محبت رکھے گا، نجات پائے گا اور جو ان سے بغض رکھے گا، ہلاک ہوگا،[ریاض النضرہ، ۱/۳۶]

امامِ بخاری رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے کہ ایک دفعہ حضرت معاویہؓ آں حضرت ﷺ کے پیچھے سواری پر سوار تھے، آپ ﷺ نے پوچھا، اے معاویہ! آپ کے جسم کا کون سا حصہ میرے نزدیک

ہے؟ تو انہوں نے کہا: یارسول اللہ! میرا پیٹ! اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: اے اللہ! اسے علم وحلم سے بھر دے! [التاریخ الکبیر، ۱۸۰/۸، رقم ۲۶۲۴]

قرآن وسنت کے بعد آثارِ صحابہ اور اقوالِ سلف صالحین سے بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی شخصیت ومقام آفتابِ نیم روز کی طرح روشن اور عیاں ہے۔

علامہ ابن حجر مکیؒ رقم طراز ہیں کہ خلیفۂ ثانی سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا: لوگو! جب امت میں تفرقہ اور فتنہ عام ہوجائے تو تم حضرت معاویہ کی اتباع کرنا اور ان کے پیچھے شام چلے جانا۔ [تطہیر الجنان، صفحہ ۳۷]

صحیح بخاری میں کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے سامنے ایک فقہی مسئلہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی دیگر صحابہ سے مختلف رائے ذکر کی گئی تو حبر الامت حضرت ابن عباسؓ نے جواباً فرمایا: رہنے دو یہ باتیں معاویہ تو فقیہ ہیں، انھیں کچھ نہ کہو وہ صحابیِ رسول ہیں اور اگلی روایت میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ''أَصَابَ، إِنَّهُ فَقِيهٌ'' یعنی ان کی رائے درست ہے، بے شک وہ فقیہ ہیں۔ [رقم الحدیث ۳۷۶۴]

مشہور مؤرخِ اسلام علامہ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ محدثِ کبیر حضرت امام عبداللہ بن مبارکؒ سے پوچھا گیا کہ حضرت معاویہؓ افضل ہیں یا حضرت عمر بن عبدالعزیز؟ تو انہوں نے فرمایا: حضورِ اکرم ﷺ کی معیت ورفاقت میں جہاد کرتے ہوئے جو مٹی حضرت معاویہؓ کے گھوڑے کے ناک میں گئی، اس مٹی کے ذرے بھی عمر بن عبدالعزیز سے افضل ہیں۔ [البدایہ والنہایہ، جلد ۸، صفحہ ۱۳۹]

نیز یہ بھی آپ کی عظمت وشرافت کی دلیل ہے کہ آپ کو حضور نبی کریم ﷺ سے قرابت ورشتہ داری بھی حاصل ہے، آپ کی ہمشیرہ ام المؤمنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے حرم و زوجیت میں تھیں، یوں حضرت معاویہؓ حضور ﷺ کے برادرِ نسبتی ٹھہرے، اور ایمان وعمل کے ساتھ قرابتِ رسول بھی بہت بڑا اشرف ہے۔

بعض مودودیت زدہ ومتاثرین رفض حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خال المؤمنین کے لقب پر برہم وسیخ پا نظر آتے ہیں؛ جب کہ حافظ ابن کثیر نے حالات حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ میں صراحۃً یہ لقب استعمال کیا ہے، درحقیقت یہ بھی شیعی اعتراض ہے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حلم وبردباری، فہم وفراست، علم وہنر، دین ودانش، جود وسخا، مہر ووفا، تسلیم ورضا اور صدق وصفا کے بحرِ بے کراں تھے، آپؓ ایک ایسے روشن دماغ سیاست دان، مردِ شہباز

حکمران، تجربہ کار، مدبر، جری و بہادر سپہ سالار تھے، جن کے نام سے قیصر وکسری اور پوری دنیائے کفر پر لرزہ طاری تھا، آپ کے تاریخی سنہری کارناموں کو دیکھ کر عقل دنگ اور انسان ہکا بکا رہ جاتا ہے، قیامت تک کے حالات وواقعات کی خبر گیری کرنے والے پیغمبرِ کائنات ﷺ کا فرمانِ عالی ہے کہ میری امت کا وہ پہلا لشکر جو سمندری جہاد کرے گا، اس کے لیے جنت واجب ہے، [صحیح بخاری]

چنانچہ تاریخ اسلام میں سب سے پہلے امامِ تدبیر وسیاست سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ نے بحری بیڑہ ایجاد کیا اور زبانِ نبوت سے صادر و وارد اس عظیم فضیلت کے مصداق ٹھہرے۔

فائدہ: سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر مطاعن واعتراضات کا طوفانِ بدتمیزی برپا کیا جاتا ہے، ایسے لچر اعتراضات میں سے ایک یہ ہے کہ حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے فضائل وارد نہیں ہیں، اس کا تفصیلی تحقیقی جواب تو دوسری کتب سیرتِ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ میں ملے گا، سرِ دست شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم کا بہترین تبصرہ نقل کیا جاتا ہے۔

”حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا سیاسی موقف چونکہ سیدنا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے خلاف اور جمہور اہل السنۃ کے نزدیک حق حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا؛ اس لیے ان کے مخالفین بالخصوص روافض کو ان کے خلاف پروپیگنڈے کا موقع مل گیا، اور ان کے خلاف الزامات واتہامات کا طومار لگادیا گیا جس میں ان کے فضائل ومناقب چھپ کر رہ گئے، ورنہ وہ ایک جلیل القدر صحابی، کاتبِ وحی اور ایسے اوصافِ حمیدہ کے مالک تھے کہ آج ان کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا“ [جہانِ دیدہ،۳۰۳]

آپؓ نے بحیرۂ روم کے ساحل سے لے کر طرطوس تک فوجی چھاؤنیاں قائم کیں، جرائم کی روک تھام اور سماج دشمن عناصر کی سرکوبی واصلاح کے لیے محکمۂ پولیس کا اجرا کیا، دس بڑی بڑی سلطنتوں کے پانچ ہزار چار سو علاقہ جات پر اسلامی حکومت قائم کی، اُس وقت دنیا کا سب سے بڑا شہر قیساریہ (جس کے تین سو بازار تھے) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ہی فتح کیا، آپ وہ عظیم فاتح و حکمران ہیں جنہوں نے پینسٹھ لاکھ مربع میل کے وسیع وعریض رقبہ پر اسلام کے پھریرے لہرادیے، بلا شبہ جماعتِ صحابہ رضی اللہ عنھم میں رقبہ کے لحاظ سے وسیع ترین اور مدت کے اعتبار سے طویل ترین حکومت آپ رضی اللہ عنہ کی تھی۔

ان سارے فضائل ومناقب اور محاسن ومحامد کے حامل، نصف سے زائد دنیا پر اسلام کے جھنڈے گاڑ دینے والے اِس عظیم حکمران، امام عادل، امامِ تدبیر وسیاست نے ۲۲/رجب ۶۰ ہجری کو داعیِ اجل کی دعوتِ اجل پر لبیک کہا اور جان جانِ آفرین کے سپرد کردی۔

امام اہلِ سنت ابومنصور ماتریدیؒ

(۱)

از: مدثر جمال تونسوی
استاذ العقیدۃ والحدیث جامعۃ الصابر، بھاولپور

اَکابر علمائے دیوبند کی متفقہ علمی دستاویز ''المہند علی المفند'' کے شروع میں شیخ المحدثین مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ نے اس بات کی وضاحت فرمائی ہے کہ فقہی اجتہادات میں ہم امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابتؒ کے پیروکار ہیں، جب کہ عقیدے کی مباحث واسلوب تحقیقات میں ہم امام ابوالحسن اشعری اورامام ابومنصور ماتریدی کے پیروکار ہیں۔ یہاں دوسوالات کا جواب بھی جان لیناضروری ہے۔

پہلاسوال: عقیدے میں تو تقلید جائز نہیں ہوتی، پھرامام ابوالحسن اشعری یاامام ابومنصور ماتریدی کی پیروی کا کیا مطلب؟

جواب: اس جواب کے دو پہلو ہیں:

(۱) عقائد کی دو قسمیں ہیں: (۱) اصولِ عقائد (۲) فروعِ عقائد؛ چنانچہ عقیدے میں عدم تقلید کا تعلق اصولِ عقائد کے ساتھ ہے۔ عقائد کے فروعی مسائل میں تقلید جائز ہے؛ کیوں کہ عقائد کی فروعی جزئیات ومسائل منصوص نہیں ہوتے بلکہ علماء کے اجتہادات کا نتیجہ ہوتے ہیں چنانچہ جس طرح فقہی اجتہادات میں فقہائے کرام کی پیروی کی جاتی ہے اسی طرح اِن اجتہادات میں بھی ماہرین عقائد جنہیں بالعموم اصطلاح اہل سنت میں ''متکلمین'' کہا جاتا ہے، اُن کی پیروی کی جاتی ہے۔

(۲) ان ائمہ کی طرف عقائد میں پیروی کا مطلب یہ نہیں کہ ان حضرات نے اپنی طرف سے عقائد گھڑے اورعلمائے امت نے اس میں ان کی پیروی کرلی بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان حضرات اسلامی عقائد کی تشریح وتبیین اوران کے دفاع کے لیے اپنی زندگی بھر کی کاوشوں سے جوایک منہج اور اسلوب وضع کیا تو بعد والوں نے اس منہج اوراسلوب کو بے حد مفید اور نافع سمجھ کر اپنالیا تو واضح ہوا کہ یہ پیروی اسلوب بیان وطرز توضیح وتشریح میں ہے، نفس عقائد میں تقلید اور پیروی نہیں ہے۔

یہ وہ بات ہے جس کو جلیل القدر فقیہ ومحدث قاضی عیاض المالکی (متوفی نے) ترتیب المدارک

میں امام ابوالحسن اشعریؒ کے حالات تحریر کرتے ہوئے واضح فرمایا ہے۔

دوسرا سوال: جب حنفیہ، فقہی اصول وفروعات میں امام ابوحنیفہ کے پیروکار ہیں تو عقائد کی تفریعات اور اصول وضوابط میں ان کی پیروی کیوں نہیں کرتے؟ اور انھیں چھوڑ کر امام ابومنصور ماتریدی کی پیروی کیوں کرتے ہیں؟

جواب: احناف نے امام ابوحنیفہ کو چھوڑا نہیں ہے؛ بلکہ عقائد کے بیان واسلوب کا جو سلسلہ امام ابوحنیفہ سے چلا تھا، اسی سلسلے کو امام ابومنصور ماتریدی نے مضبوط ومستحکم کیا اور اسی میں اپنی بیشتر زندگی صرف کی اور یوں اس فن کی خدمت حنفیہ میں سے انھیں میں سمٹ گئی اور آگے جتنے بھی علماء اس فن کے ماہر ہوئے وہ یا تو براہ راست انھیں کے شاگرد تھے یا ان کے شاگردوں کے شاگرد اور انھیں کی کتابوں کے فیض یافتہ تھے؛ اس لیے پھر یہ نسبت انھیں کی طرف ہونے لگی؛ چنانچہ اس سے واضح ہوا اس نسبت سے امام ابوحنیفہ کی طرف جو نسبت ہے اس کی نفی ہرگز ہرگز نہیں ہوتی۔

اس تمہید کے بعد اب امام ابومنصور ماتریدیؒ کے حالات کا تذکرہ شروع کیا جاتا ہے۔

نام ونسب

محمد بن محمد بن محمود کنیت ابومنصور، اور نسبت ماتریدی اور سمرقندی ہے۔ سمرقند شہر کی طرف کی نسبت ہے اور ماتریدی اُس بستی کی طرف جہاں اِن کی پیدائش ہوئی۔ بعض اہلِ علم مثلاً علامہ بیاضی حنفیؒ نے آپ کا نسب مشہور صحابی حضرت سیدنا ابوایوب انصاریؓ تک پہنچایا ہے؛ مگر دیگر کسی اور معتبر اور قدیم ماخذ سے اس کی تائید نہیں ہوتی۔

ماترید: میں تا پر ضمہ بھی پڑھا گیا ہے اور فتح بھی یعنی: ماتُرید اور ماتَرید؛ جب کہ بعض لوگ ماتریت بھی پڑھتے ہیں۔ علامہ عبدالکریم السمعانیؒ نے اس محلے کی متعدد بار زیارت کی اور اس کے بارے میں اپنا یہ تبصرہ نقل کیا:

قد تخرج منها جماعة من الفضلاء (الأنساب للسمعانی. ص٤٩٨)

اس محلے میں فاضل اہل علم کی ایک بڑی جماعت پیدا ہوئی ہے۔

پھر یہی بات علامہ یاقوت حموی نے معجم البلدان میں اور علامہ ابن الاثیر الجزری نے اللباب میں بھی نقل کی ہے۔

جب کہ سمرقند ماوراء النہر کے مشہور ترین قدیم شہروں میں سے ایک ہے۔ بعض تاریخی روایات کے مطابق اسکندر مقدونی نے اپنے زمانے میں اس کی تعمیر نو کی تھی، اور بعض سیاح مورخین نے تو یہاں تک لکھا ہے:

كل ما سمعت عن محاسنها صحيح باستثناء أنها أجمل مما تصورت

اس شہر کی خوبصورتی کے بارے میں جو کچھ بھی سنا تھا سب صحیح ہے؛ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اس کی خوب صورت میرے تصور سے بھی زیادہ تھی۔

ولادت

اکثر مورخین نے امام ماتریدیؒ کے حالات اور خاص کر تاریخ پیدائش سے کچھ خاص تعرض نہیں کیا؛ اس لیے اکثر تاریخی کتب اس حوالے سے خاموش ملتی ہیں؛ لیکن اللہ تعالی کا شکر ہے کہ اس جلیل القدر امام کے حالات کی جستجو کرنے والوں نے اس کا کچھ نہ کچھ پتہ لگالیا ہے۔

اس بارے میں محققین نے جس تاریخ کو راجح قرار دیا ہے وہ ہے: سنہ ۲۳۸ھ؛ کیوں کہ آپ کے ایک استاذ محمد بن مقاتل الرازیؒ کی وفات سنہ ۲۴۸ھ میں ہے اور اس لیے ضروری ہوتا ہے کہ امام ماتریدی نے جب آپ سے استفادہ کیا ہو تو کم از کم ان کی عمر دس سال ہونی چاہیے کیوں کہ اس عمر سے کم میں استفادہ کرنا بہت مشکل ہوتا ہے۔

اساتذہ

امام ماتریدی نے چونکہ ایک ایسے علاقے میں آنکھ کھولی جو علم وفقہ کی سرگرمیوں سے خوب آباد تھا، خصوصاً امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے سلسلے کے علمائے کرام وہاں بکثرت تھے اور اپنی علمی تگ ودو سے پورے علاقے کو روشن کیے ہوئے تھے تو یہ وہ ماحول تھا جس نے امام ماتریدی کو اپنی خداداد صلاحیتوں کے ساتھ ساتھ بہترین اساتذہ کی بدولت درجۂ امتیاز عطا کردیا تھا اور آپ کی علمی کاوشوں نے آگے چل کر ایسی مقبولیت حاصل کی کہ بالعموم علمائے احناف نے عقائد کے مباحث ومسائل اور تحقیقاتی اسلوب میں انھیں کی پیروی کی اور یوں علمائے ماتریدیہ اہل السنۃ والجماعۃ کا ایک علمی ترجمان حلقہ بن کر تاریخی حقیقت بن گیا۔

امام ماتریدی کی یہ خوش قسمتی ہے کہ وہ امام ابوحنیفہؒ کی کتابوں کو خصوصاً عقائد سے متعلق رسائل کو اپنے اساتذہ کے توسط سے سند متصل کے ساتھ روایت کرنے والے اور ان کی ترویج واشاعت کرنے والے ہیں۔

چنانچہ امام ماتریدی نے، امام ابوحنیفہ کے عقائد سے متعلق رسائل: ''الفقہ الابسط، رسالہ الی عثمان البتی، العالم والمتعلم، یوسف بن خالد کے نام وصیت'' کو اپنے شیخ ابونصر احمد بن عباس العیاضی، شیخ احمد بن اسحاق الجوزجانی اور شیخ نصیر بن یحییٰ البلخی سے روایت کیا ہے اور یہ تینوں شیوخ ان کتابوں کو اپنے شیخ ابوسلیمان الجوزجانی سے روایت کرتے ہیں اور شیخ ابوسلیمان الجوزجانی، روایت کرتے

ہیں اپنے شیخ محمد بن حسن شیبانی سے اور امام محمد انھیں روایت کرتے ہیں امام اعظم ابوحنیفہ سے۔

یہ سند متصل اس بات کی دلیل اور شاہد ہے کہ امام ماتریدی نے عقائد کے مسائل ومباحث اور اسلوب تحقیق میں جو بھی کاوشیں کی ہیں ان کی بنیاد واساس وہی فکر ہے جس کی بنیاد امام ابوحنیفہ نے رکھی، اور امام ابوحنیفہ کے حالات پر نظر رکھنے والوں سے یہ مخفی نہیں کہ جس طرح آپ فقہ کی تاسیس رکھنے والے ہیں اسی طرح گمراہ فرقوں کے ظہور کی وجہ سے اہل السنۃ والجماعۃ کی ترجمانی کرتے ہوئے عقائد کی مباحث ومسائل کو بھی ایک مستقل علم وفن کی حیثیت دینے والے ہیں، اگرچہ آپ پر اس کے بعد فقہ کا رنگ غالب آگیا اور یہی چیز آپ کی پہچان بن گئی اور عقائد والے مباحث کو پھر آپ کے شاگرد در شاگرد اِمام ماتریدی نے پوری توجہ سے بڑھایا اور اسی سبب سے پھر یہ علمی نسبت امام ابوحنیفہ کے بجائے امام ماتریدی کی طرف ہوگئی۔ واللہ اعلم

مشہور اساتذہ

امام ماتریدی نے چند نامور اساتذہ کرام کا مختصر تذکرہ بھی ملاحظہ فرمالیجیے۔

(۱) اِمام محمد بن مقاتل الرازی

علامہ عبدالحی لکھنویؒ نے ''الفوائد البہیۃ فی تراجم الحنفیۃ'' میں آپ کو امام ماتریدی کے اساتذہ میں ذکر کیا ہے۔

آپ ایک فقہ بھی تھے اور محدث بھی، اور دیگر علوم اسلامیہ بھی مہارت رکھتے تھے۔ علم حدیث امام وکیع بن الجراح اور ان کے طبقے کے دیگر اہلِ علم سے حاصل کیا تھا۔ علامہ کمال پاشا نے آپ کے حالات لکھے ہیں اور اس میں یہ صراحت کی ہے کہ امام ابوحنیفہ کے عقائد میں جو شاگرد اور ان کا سلسلہ چلا ہے، تو یہ اس میں چوتھے طبقے میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ ایک مدت تک رے میں قضا کے منصب پر فائز رہے۔

آپ کی وفات کے بارے میں دو قول ہیں: ایک قول کے مطابق وفات ۲۴۲ھ میں ہوئی جب کہ راجح یہ ہے ان کی وفات سنہ ۲۴۸ھ میں ہوئی، قریبی زمانے کے نامور محقق عالم دین شیخ محمد زاہد الکوثری نے اسی کو ذکر کیا ہے اور راجح قرار دیا ہے۔ (مقدمہ العالم والمتعلم)

(۲) اِمام اَبونصر احمد العیاضی

آپ امام ماتریدیؒ کے اُن اساتذہ میں سے ہیں جن سے آپ کو خصوصی تعلق تھا، چنانچہ شاید یہی وجہ ہے کہ علامہ محدث قاسم بن قطلو بغا نے آپ کے اساتذہ میں سے صرف انھیں کا ذکر کیا ہے۔ علاوہ ازیں دیگر تمام طبقات حنفیہ میں بھی امام ماتریدی کے اساتذہ میں ان کا نام شامل ہے۔ علامہ محمد مرتضی

زبیدی نے بھی امام ماتریدی کے اساتذہ میں ان کا ذکر کیا ہے اور آپ کا نسب اس طرح بتایا ہے:

احمد بن عباس بن حسین بن جبلۃ بن جابر بن نوفل بن عیاض بن یحییٰ بن قیس بن سعد ابن عبادۃ الانصاری الفقیہ السمر قندی

اس نسب سے واضح ہوتا ہے کہ آپ مشہور صحابی رسول ﷺ، حضرت سعدؓ بن عبادہ کے خاندان سے تھے۔

آپ نے علاقہ ماوراء النہر کے معروف حنفی فقیہ شیخ ابوبکر احمد بن اسحاق جوزجانی سے علم حاصل کیا تھا۔ موصوف حد درجہ بہادر اور جراءت مند تھے۔ جہاد میں بے دریغ شریک ہوتے تھے اور پھر اسی راہِ جہاد میں احمد بن اسد بن سامان کے عہد ولایت میں ایک معرکے میں لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔

علم وفضل میں اس قدر بلند مرتبے رکھتے تھے کہ علماء سیر نے یہاں تک تحریر کیا:

اِن الدلیل علی صحۃ مذھب ابی حنیفۃ کون الامام احمد العیاضی علی مذھبہ (ذیل الجواھر المضیئۃ لابن ابی الوفاء. ج۲، ص۵۶۲)

امام احمد العیاضی جیسے شخص کا امام ابوحنیفہ کے مذہب پر ہونا، امام ابوحنیفہ کے مذہب کے صحیح ہونے کی دلیل ہے۔

(۳) ابوبکر احمد بن اسحاق الجوزجانیؒ

علامہ عبدالحئی لکھنوی، علامہ تمیمی اور علامہ زبیدی سب نے ان کو امام ماتریدی کے اساتذہ میں ذکر کیا ہے اور سب نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ:

کان عالما جامعا بین الاصول و الفروع و قد اخذ العلم عن ابی سلیمان الجوزجانی.

موصوف ایک بڑے عالم اور اصول وفروع دونوں میں مہارت رکھتے تھے اور (امام محمد کے نامور شاگرد) امام ابوسلیمان الجوزجانی سے علم حاصل کیا تھا۔

ان کی دو کتابوں کے نام ملتے ہیں: (۱) الفرق والتمییز (۲) کتاب التوبۃ

(۴) نصیر بن یحییٰ البلخیؒ

اتحاف السادۃ المتقین فی شرح احیاء علوم الدین میں علامہ زبیدی نے انھیں امام ماتریدی کے اساتذہ میں ذکر کیا ہے۔ ابومطیع حکم بن عبداللہ، ابومقاتل حفص بن مسلم السمر قندی اور ابوسلیمان الجوزجانی آپ کے شیوخ میں سے ہیں۔ موصوف فقہ حنفی اور علم کلام میں ماہر تھے اور سنہ ۲۶۸ھ میں وفات پائی۔

علمی مقام ومرتبہ

امام ماتریدی کا علمی مقام ومرتبے تین باتوں سے سمجھا جاسکتا ہے۔

(۱) آپ کی تالیفات

(۲) آپ کے شاگردوں اور استفادہ کنندگان کا سلسلہ

(۳) سیرت نگار علماء ومحققین کی طرف سے آپ کے لیے ذکر کیے گئے القاب

پہلے ہم تیسرے نکتے کو ذکر کرتے ہیں؛ چنانچہ سیرت نگاروں نے آپ کے لیے جو القاب ذکر کیے ہیں وہ سب کے سب آپ کے بلند پایہ علمی مقام اور درجہ اِمامت کو واضح کررہے ہیں؛ چنانچہ درج ذیل تین القابات دیکھئے:

اِمَامُ الْھُدیٰ

اِمَامُ الْمُتَکَلِّمِیْن

مُصَحِّحُ عَقَائِدِ الْمُسْلِمِیْنْ (مسلمانوں کے عقائد کو درست کرنے والے)

جب کہ آپ کی تالیفات کی عمدگی اور کمال کی گواہی دینے والے سب ہی وہ علماء ہیں جنہوں نے آپ کی تالیفات دیکھیں، اوران کا مطالعہ کیا؛ چنانچہ اب بھی جو کتابیں خاص کر آپ کی ضخیم تفسیر بنام ''تاویلات اہل السنۃ'' اور علم التوحید پر ضخیم اور دقیق کتاب بنام ''کتاب التوحید'' شائع ہوچکی ہیں اور عرب وعجم کے اہل علم کی توجہات کا مرکز بنی ہوئی ہیں۔ خصوصاً تفسیر ماتریدی کو تو متعدد اہل علم نے اپنی تحقیق کی جولانگاہ بنایا ہے اور اس کے متعدد تحقیقی ایڈیشنز شائع ہوچکے ہیں اور سنا گیا ہے کہ پاکستان کے بعض ادارے اس کے اردو ترجمے کی طرف بھی پیش رفت کرچکے ہیں۔

علامہ بیاضی حنفی آپ کی تالیفات کے بارے میں لکھتے ہیں:

و حقق فی کتبه المسائل بقواطع الادلة و اتقن التفاریع بلوامع البراهین الیقینة (اِشارات المرام، ص ۲)

امام ماتریدیؒ نے اپنی کتابوں میں مسائل کو قطعی دلائل سے پایہ تحقیق کو پہنچایا ہے اور تفریعات کو روشن براہین سے مستحکم کردیا ہے۔

یہ بات محققین کے لیے بہت ہی واضح اور کافی ہے جب کہ عام آدمی کے لیے یہ بات کافی ہونی چاہیے کہ عالم اسلام کے مایہ ناز اور قدیم ترین علمی وتعلیمی ادارے: مصر کا جامعہ الازہر، مغرب کا جامعہ الزیتونہ اور جامع القرویین، ماوراء النہر کے علمی ادارے اور پاک وہند وافغانستان کے تعلیمی اداروں میں صدیوں سے امام ماتریدی کے اسلوب فکر والے عقائد کو درسی نصاب کا حصہ بنایا گیا ہے اور جلیل القدر

علمائے کرام انھیں پڑھتے اور پڑھاتے چلے آرہے ہیں؛ چنانچہ عقیدہ نسفیہ جو ماتریدی اسلوب فکر کا نمائندہ اور مختصر ترین رسالہ ہے اور اس کی شرح جو علامہ ثانی سعدالدین التفتازانیؒ نے تحریر کی ہے وہ اوپر ذکر کردہ دینی جامعات میں داخل نصاب رہی ہے یا درسی نصاب میں بہ طور معاون کتاب کے پڑھی اور پڑھائی جاتی رہی ہے۔

امام ماتریدی کے تلامذہ

امام ماتریدی کی علمی سرگرمیوں اور علم مقام دونوں سے واقفیت کے لیے ان کے تلامذہ پر بھی ایک نظر ہونی چاہیے؛ اس لیے ذیل میں ان کے چند نامور تلامذہ کا ذکر کیا جاتا ہے:

(۱) ابوالقاسم السمر قندی

اپنے وقت میں علم فقہ اور علم کلام امام ماتریدی سے حاصل کیا اور بلخ کے مشایخ سے علم تصوف حاصل کیا اور اس میں اس قدر ترقی ہوئی کہ ''الحکیم'' ان کا لقب پڑ گیا۔ سمرقند کے قاضی بھی مقرر ہوئے اور اچھی سیرت وکردار کے مالک تھے۔ سمرقند میں سنہ ۳۴۲ھ میں وفات پائی۔ دو کتابیں یادگار چھوڑیں: **الرد علی اصحاب الھوی**، اور **کتاب الایمان جزء من العمل**۔

(۲) شیخ علی الرستغنی

ابوالحسن علی بن سعد الرستغنی ان کا پورا نام ہے۔ سیرت نگاروں نے آپ کو امام ماتریدی کے جلیل القدر تلامذہ میں بتلایا ہے۔ یادگار کتابوں میں ''ارشاد المہتدی، اور الزوائد والفوائد فی انواع العلوم'' کے نام ملتے ہیں۔

(۳) ابومحمد عبدالکریم بن موسیٰ البزدوی

آپ علمائے حنفیہ میں سے دو مشہور شخصیات: امام ابوالعسر البزدوی اور امام ابوالیسر البزدوی کے دادا ہیں۔ یہ پورا خاندان علمی ہے۔ سنہ ۳۹۰ھ میں وفات پائی۔

امام ماتریدی کی وفات:

آپ کی وفات میں اہل علم کا تھوڑا سا اختلاف ہے؛ مگر جو راجح ہے وہ سنہ ۳۳۳ھ ہے اور آپ کی قبر سمرقند میں ہے اور مشہور ہے۔

(باقی آئندہ)

❁ ❁ ❁

حضرت مفتی محمد نظام الدین اعظمیؒ مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند
یادیں اور باتیں

بقلم: مولانا اشتیاق احمد قاسمی
مدرس دارالعلوم دیوبند

استاذ محترم حضرت اقدس مولانا مفتی محمد نظام الدین اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کی رحلت پر اٹھارہ سال کا عرصہ گزر چکا، اب تک حضرت سے متعلق کچھ نہ لکھا، شروع شروع میں اس کی ایک وجہ تو یہ رہی کہ حضرت کا علمی رُعب میرے اوپر بہت زیادہ تھا، حضرت بڑے بڑے مفتیانِ کرام کی تحریروں پر معرکۃ الآراء سوالات کھڑے کردیتے تھے اور ہر ہر جملہ پر رکتے اور سوچتے تھے، میں جب بھی لکھنے کا ارادہ کرتا تو ہمت ہار دیتا اور خیال ہوتا کہ خدایا حضرت سے متعلق کوئی بات لکھوں اور وہ میدانِ محشر میں حضرت کے سامنے ہو اور حضرت اس پر اعتراض کر بیٹھیں تو میں کیا جواب دوں گا؟ کون سی بات لکھنی چاہیے؟ اور کون سی نہیں؟ اس کا بھی انتخاب کرنا مشکل تھا۔

چند دنوں سے جناب مولوی عبدالحنان اعظمی فاضلِ دارالعلوم دیوبند اصرار کررہے ہیں کہ حضرت سے متعلق آپ کو جو معلومات ہیں، لکھ کر مجھے دیجیے، حضرت کی سوانح لکھنے کا ارادہ ہے، عزیز کا اصرار اتنا بڑھا کہ مجھے ہمت ہوگئی اور میں نے ارادہ کیا کہ مجھے جو معلومات ہیں، میں انھیں لکھ لوں اور اللہ رب العزت سے غلطی کی معافی مانگ لوں کہ بارالٰہا! اگر اس میں کوئی بات ایسی لکھ گئی ہو جس سے حضرت کو ناراضی ہو تو اسے معاف فرما اور میدانِ محشر میں شرمندہ نہ فرما۔

حضرت مفتی صاحب کی شان ہی نرالی تھی، فقہ وفتاویٰ میں اُن کے علم کی گہرائی کا اندازہ لگانا مشکل تھا، زندگی سنت کے مطابق تھی، طبیعت میں سلوک وتصوف کے آثار نمایاں تھے، حقوق کا لحاظ بہت رکھتے تھے، حافظہ قوی تھا، علوم کا ذخیرہ سینے میں محفوظ تھا، رخصت پر عزیمت کو ترجیح دیتے تھے۔ نہایت ہی کمزوری کے باوجود نماز کھڑے ہوکر پڑھتے تھے، مسجدِ قدیم میں جمعہ کے دن اندر اخیر صف

میں داہنی طرف نماز پڑھ رہے تھے، میں دیکھ رہا تھا کہ سیدھے کھڑے ہوجارہے تھے پھر بدن ڈھیلا ہوتا چلا جاتا، پھر اپنے کو سیکھا کرتے ایک منٹ کے بعد ہی جھکنے کے قریب ہوجاتے، میں سوچ رہا تھا کہ یا اللہ! قیام کی فرضیت کے شوق میں حضرت کس طرح بار بار ہمت کرکے بدن کو سیدھا کررہے ہیں فرشتوں کو بھی یہ ادا بڑی پیاری معلوم ہورہی ہوگی۔

بزرگوں سے بڑی مناسبت تھی، ان کے قصے سناتے رہتے تھے، ان کے پاس بیٹھ کر مجھے خوشبو محسوس ہوتی تھی، وہ خوشبو میں نے کسی عطر میں نہیں سونگھی کسی کسی بات پر یکدم غصہ ہوجاتے پھر تھوڑی دیر بعد مسکرانے لگتے، ضعف ونقاہت تو تھی؛ مگر مجھے یہ اندازہ نہیں تھا کہ حضرت کی اتنی جلدی وفات ہوجائے گی، زندگی معمول پر ہی تھی کہ اچانک داعی اجل کو لبیک کہہ دیا۔ حضرت کا چھوٹے چھوٹے قدم سے چلنا اور جلدی جلدی بولنا یاد آتا ہے، اپنے گھر ایک ایک اینٹ کی یعنی ڈھائی تین انچ کی سیڑھی بنا رکھی تھی، رکشتہ سے اترتے اور دیوار کے سہارے آہستہ آہستہ چڑھتے، نماز عموماً ''طیب مسجد'' میں آکر ادا کرتے تھے۔ حضرت الاستاذ مولانا قمرالدین صاحب مدظلہ کے ساتھ بیٹھ کر وہاں کچھ باتیں بھی کرتے تھے، طبیعت زاہدانہ تھی، بخل بالکل نہیں تھا، میں گورینی سے پڑھ کر آیا تھا وہاں حضرت شاہ وصی اللہ صاحب کے شاگردان اور خلفاء تھے (حضرت مفتی محمد حنیف صاحب اور حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب رحمہما اللہ تعالیٰ) جب دیوبند آیا تو یہاں حضرت کے بارے میں معلوم ہوا کہ وہ بھی وصی الٰہی رندوں میں سے ہیں، پھر جب ملاقات ہوئی تو اپنے اندر مناسبت دیکھی۔ اسی مناسبت کی وجہ سے میں نے درخواست کی کہ حضرت! میں حضرت اقدس مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے ''رسم المفتی'' کے ختم پر ساتھیوں کے ساتھ بیعت ہوا تھا، حضرت کی وفات کے بعد آپ سے مناسبت پاتا ہوں، تو حضرت نے فرمایا: ''ٹھیک ہے، اپنے احوال لکھ کر بتایا کرو''؛ مگر چند دنوں بعد ہی حضرت کی رحلت ہوگئی، میں سلوک وتصوف سے متعلق استفادہ نہ کرسکا۔

سوانحی خاکہ

اسم گرامی: حضرت مولانا مفتی محمد نظام الدین اعظمی ابن جناب محمد رفیع الدین صاحبؒ

ولادت: ذی قعدہ ۱۳۲۸ھ مطابق نومبر ۱۹۱۰ء کو آپ کی ولادت اُندرا، سپاہ مدھوبن، اعظم گڑھ (مئو) میں ہوئی، آپ کا سلسلۂ نسب مشہور فقیہ ومفسر ملا جیون جون پوریؒ تک پہنچتا ہے۔

تعلیم: ابتدائی تعلیم آپ نے اپنے وطن میں ہی حاصل کی، پرائمری درجہ چار تک پڑھا تھا کہ

دینی علوم حاصل کرنے کا ارادہ ہوا، خاندان انگریزی علوم کا دلدادہ تھا، لوگوں نے انگریزی علوم کی طرف راغب کیا؛ مگر دستِ قدرت نے اپنی طرف کھینچ لیا، خواب میں خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ اور خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہما کی زیارت ہونے لگی، اس طرح علوم نبویہ کے حصول کی راہ ہموار ہوئی، پھر حضرت شاہ وصی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی شاگردی نصیب ہوئی اور انھیں کی ارادت میں شامل ہوگئے اور اخیر تک انھیں کی رہنمائی میں علوم وفنون کو پڑھا، پڑھایا اور فقہ وفتاویٰ سے مناسبت حاصل کی۔

تدریس: آپ نے فراغت کے بعد جامع العلوم جین پور، اعظم گڑھ میں تدریس وافادہ کا سلسلہ شروع فرمایا، وہاں پندرہ سال رہے، پھر گورکھپور (یوپی) کے مدرسہ جامع العلوم میں تشریف لے گئے وہاں تین سال رہے، پھر دارالعلوم مئو آئے اور وہاں پچیس سال درس وتدریس کے ساتھ فتویٰ نویسی کی خدمات انجام دیں، پھر حضرت حکیم الاسلام کی خواہش کا لحاظ کرتے ہوئے، مادرعلمی دارالعلوم دیوبند تشریف لائے اور پینتیس سال خدمت انجام دے کر راہی ملکِ عدم ہوگئے، آپ کی تدریسی وفتویٰ نویسی کی خدمات اٹھتر (۷۸) سال پر مشتمل ہے۔

رابطہ عالم اسلامی کی ممبری

دارالعلوم دیوبند میں تدریس وافتاء کی خدمات میں جب حضرت کے اٹھارہ سال گزر گئے تو آپ کو ۱۴۰۳ھ میں رابطہ عالم اسلامی کے ''مجمع فقہی'' کا رکن مراسل بنایا گیا۔ اخیر تک آپ کا یہ رابطہ باقی رہا۔

خلیجی ممالک میں جاکر تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ آپ سے ''توصیہ'' (تصدیق نامہ) لیتے تھے، آپ کی تصدیق کی بڑی اہمیت تھی، حضرت فرماتے تھے کہ طلبہ اگر حرمین شریفین جاتے ہیں تو خوشی ہوتی ہے کہ روحانی مرکز سے کسبِ فیض کریں گے؛ لیکن جو طلبہ ان کے علاوہ دوسری جگہوں پر جاتے ہیں تو خوشی نہیں ہوتی کہ مقصد زراندوزی ہوتی ہے اور بس۔

تصانیف

حضرت مفتی صاحب کی تصانیف متنوع ہیں، فقہ وفتاویٰ سے متعلق بھی، احادیث وآیات سے متعلق بھی، علوم آلیہ میں صرف ونحو سے متعلق بھی اور بزرگوں کی زندگیوں اور اُن کے اخلاق وعادات اور کرامتوں پر بھی، ذیل میں چند تصانیف کا ذکر کیا جاتا ہے:

۱- انوار السنة لِرُوَّادِ الجنه المعروف بفتح الرحمان لإثبات مذهب النعمان:

یہ کتاب مخطوط تھی حضرت نے اس کو بڑے ہی اہتمام سے لکھوایا اور طبع کرایا، افتاء کے ہمارے

ساتھیوں کو حضرت نے تحفے میں دی تھی، حنفی مسلک کے دلائل وشواہد اس میں بہت زیادہ ہیں۔

جولوگ امام اعظم ابوحنیفہؒ کے مسلک کو آیات واحادیث سے دور سمجھتے ہیں، اُن کے لیے یہ بہت ہی اہم کتاب ہے، غیر مقلدین کے بڑھتے ہوئے فتنے کے دور میں اس کی اہمیت اور بھی بڑھ گئی ہے۔

بازار میں اب یہ کتاب دستیاب نہیں ہے، حضرت کے ورثاء اگر اس کی طباعت واشاعت کی طرف توجہ دیں، یا کسی کو طباعت کے لیے دے دیں تو اس کی افادیت بہت بڑھے گی اور مؤلف کا مقصد پورا ہوگا، یہ کتاب معروف ہندوستانی محدث حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی تصنیف ہے۔

۲- اقسام الحدیث

۳- اصول الحدیث

۴- آسان علم الصرف یعنی اردو میزان الصرف

۵- آسان علم النحو یعنی اردو نحو میر

۶- سراج الوارثین شرح سراجی

۷- مزایا امام اعظم

۸- کرامات حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ

اخیر اخیر میں حضرت نے دو اور بھی چھوٹے چھوٹے کتابچے شائع فرمائے تھے یاد پڑتا ہے کہ ایک میں حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب کی کرامتیں اور اُن کے احوال تھے۔

ان کے علاوہ حضرت کے فتاویٰ میں بعض تفصیلی فتاویٰ رسالے کی شکل اختیار کر جاتے تھے، اگر ان کو الگ کر کے شائع کیا جائے تو بڑا مفید ثابت ہوگا۔

حضرت مفتی صاحب نے حضرت شاہ وصی اللہ صاحب سے فتویٰ نویسی کی تربیت حاصل کی

حضرت مفتی صاحب نے خود بیان فرمایا کہ میں مدرس ہوگیا، فتویٰ نویسی کی ذمہ داری بھی میرے ذمہ آئی تو میں نے حضرت سے کہا کہ میں تو فتویٰ لکھنا سیکھا ہی نہیں، کیسے یہ کام کروں تو حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ آپ ہفتے بھر آئے ہوئے سوالات کے جواب لکھا کریں اور جو مشکل ہو اس کو ہفتہ میں ایک بار لے آیا کریں اور یہاں آکر مشورہ کرلیں، حضرت نے ایسا ہی کرنا شروع کیا، ہفتہ میں ایک بار خدمت میں حاضر ہوتے اور مشکل مسائل حل ہوجاتے۔ حضرت نے مجھ سے بیان فرمایا کہ میں ڈاک لے کر حاضرِ خدمت ہوتا تھا اور حضرت شاہ صاحب کی مجلس میں بیٹھ جاتا تھا، حضرت کا بیان سنتا رہتا، اسی دوران میرے سوال کے جواب کی تقریر حضرت فرمادیتے تھے اور اکثر بلا

پوچھے سوالات حل ہوجاتے اور میں واپس چلا آتا تھا۔

نئے مسائل کے حل میں عظیم مہارت

حضرت مفتی رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے نئے مسائل کے حل میں بڑا درک عطا فرمایا تھا، کوئی بھی مسئلہ آتا اس کو فوراً حل فرماتے، استدلال میں برجستہ آیت، یا حدیث شریف تلاوت فرماتے اور نہایت ہی لطیف مضمون نکال لیتے تھے، جس سے وہ مسئلہ آسانی سے حل ہوجاتا، یعنی ''اشارۃ النص'' کی طرف ذہن بہت جلد سبقت کرتا تھا۔

کبھی کوئی قاعدہ برجستہ پڑھتے اس پر وہ جزئیہ متفرع ہوتا ہوا نظر آتا تھا۔ قواعد الفقہ پڑھاتے تھے؛ اس لیے بھی اصول وضوابط نوکِ زبان پر ہوتے تھے۔

دارالافتاء کے مفتیانِ کرام جس مسئلہ کے حل میں درماندہ ہوکر حضرت سے دریافت فرماتے، اس کا حل بڑی آسانی سے حضرت نکال دیتے تھے۔

راقم الحروف نے بارہا حضرت مفتی کفیل الرحمٰن صاحب نشاطؔ عثمانیؒ نائب مفتی دارالعلوم دیوبند کو دیکھا کہ وہ تشریف لاتے اور حضرت سے استفتاء کا جواب پوچھتے اور جواب ملنے کے بعد اس کو اپنے قلم سے لکھتے اور حضرت سے فوراً ہی دستخط کروالیتے تھے۔

حضرت الاستاذ مفتی محمد طاہر غازی آبادی مدظلہٗ العالی صدر مفتی مظاہر علوم سہارن پور جو اس زمانے میں نائب مفتی دارالعلوم دیوبند تھے، وہ بھی حضرت سے پوچھنے آتے تھے، حضرت مفتی حبیب الرحمٰن صاحب خیرآبادی مدظلہٗ بھی آپ سے مشکل مسئلوں میں تبادلۂ خیال کے لیے آتے تھے۔

علم فرائض میں مہارت

حضرت کو ویسے تو کتبِ فقہ کے مسائل ازبر تھے ہی؛ مگر علم فرائض میں غیر معمولی استحضار تھا، سراجی پڑھانے کا بارہا کا تجربہ تھا، اس کی شرح ''سراج الوارثین'' کے نام سے تحریر فرمائی تھی۔ جب کوئی مسئلہ فرائض سے متعلق ہوتا تو اس کو اور بھی توجہ سے دیکھتے۔

ایک بار حضرت اقدس مفتی محمد ظفیر الدین صاحب مفتاحی مفتی دارالعلوم دیوبند نے ایک استفتاء دیا، اس میں فرائض سے متعلق مسئلہ پوچھا گیا تھا، ''مناسخہ'' کی تخریج تھی۔ میں نے اُسے لکھا اور حضرت مفتی صاحب کو دکھایا حضرت نے فرمایا: نیچے حضرت مفتی نظام الدین صاحب بیٹھے ہوئے ہیں، اُن سے دستخط کرا کے لے آؤ، میں پہنچا تو حضرت نے پہلے سوال پڑھوایا، پھر جواب سنا اور تخریج دیکھی اور ہر وارث کے سہام کے بارے میں سوالات شروع کیے، میں نے جواب دیے، تخریج سے متعلق قواعد

پوچھے میں نے بتایا، سوال وجواب کا سلسلہ تقریباً آدھ گھنٹہ چلتا رہا، میں بھی ڈٹا رہا کہ چار بار سراجی پڑھ چکا تھا اور تقریباً دس بار طلبہ کو پڑھا چکا تھا، اب اس کی شرح لکھنے کی تیاری چل رہی تھی۔

حضرت بہت خوش ہوئے اور دعائیں دیں، فرمایا کہ میرے پاس سراجی سے متعلق سوالات میں لوگ کہیں نہ کہیں ضرور پھنس جاتے ہیں؛ مگر تم کہیں نہیں پھنسے، میں تمہارا امتحان لے رہا تھا، پھر فتویٰ پر دستخط ثبت فرمائے، میں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔

فتویٰ پر دستخط کرنے میں احتیاط

حضرت کے پاس دارالافتاء سے مفتیان کرام کے لکھے ہوئے لفافے آتے تھے، حضرت ہر ایک لفافہ کے سوال اور جواب دونوں کو بالاستیعاب پڑھتے تھے، اطمینان کرکے دستخط کرتے تھے اور جس جواب میں کمی ہوتی یا شرحِ صدر نہیں ہوتا اس کو اپنے پاس رکھ لیتے اور جس مفتی صاحب کا لکھا ہوتا ان کو بلاتے اور حذف واضافہ کے بعد جاری فرماتے تھے۔

عام طور سے مفتیانِ کرام صرف جواب پڑھتے تھے اور ضرورت محسوس کرنے پر ہی سوال کی طرف نگاہ ڈالتے تھے؛ مگر حضرت مفتی صاحب ایسا ہرگز نہیں کرتے؛ اس لیے جس فتویٰ پر حضرت کے دستخط ثبت ہوجاتے بڑا اطمینان ہوتا تھا۔

فتویٰ میں انگریزی الفاظ کے استعمال میں احتیاط

حضرت مفتی صاحب فتویٰ نویسی میں انگریزی الفاظ کے استعمال میں حد درجہ احتیاط فرماتے تھے اور طلبہ کو فتویٰ نویسی کی تمرین کراتے ہوئے بھی اس کی نصیحت فرماتے تھے۔ میرے ایک رفیقِ درس کی انگریزی بڑی اچھی تھی، انھوں نے ایک فتویٰ میں انگریزی زبان کا لفظ استعمال کیا، حضرت نے ادنیٰ خفگی کا اظہار فرمایا، کہنے لگے ''بُزاخفش، بُزاخفش! کھاتا ہے اردو اور ہگتا ہے انگریزی''، اس پر ساتھیوں کو ہنسی آگئی۔

''بزاخفش''، حضرت مفتی صاحب کا تکیۂ کلام تھا، میرے رفیقِ درس نے دوبارہ اس کو اچھی اردو میں لکھا؛ بلکہ ڈر کے مارے قدرے قدیم ساخت کو اپنایا، پھر سنایا، تو حضرت خوش ہوگئے۔

''فتاویٰ نظامیہ اُندراویہ'' کی وجہ تسمیہ

حضرت مفتی صاحب حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد رشید تھے اور اُن کے عاشقِ زار بھی، ایک بار کسی نے فتاویٰ کی وجہ تسمیہ پوچھی تو حضرت نے فرمایا کہ حضرت الاستاذ مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ مجھ سے محبت فرمایا کرتے تھے اور مجھے میرے گاؤں کی

طرف نسبت کر کے ''اوندراوی'' کہہ کر پکارتے تھے، تو میں نے اُن کی یاد میں اپنے فتاویٰ کے مجموعے کا نام یہی رکھا۔

یہاں پر یہ وضاحت بے جا نہ ہوگی کہ حضرت کے فتاویٰ ایک بار ''منتخبات نظام الفتاویٰ'' کے نام سے شائع ہوئے، اسی مطبوعہ نسخے کو ''فقہ اکیڈمی دہلی'' نے دوبارہ تحقیق کے ساتھ شائع کیا، حضرت مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمیؒ حضرت کے بڑے مداح اور شاگردوں میں تھے، انھوں نے اکیڈمی سے طباعت کی پیش کش فرمائی تو حضرت نے اجازت دے دی، اس سے پہلے وہ لیتھو پر چھپے تھے۔

اس کے بعد ''فتاویٰ نظامیہ اوندراویہ'' کے نام سے فتاویٰ چھپے، پھر حضرت کے صاحب زادوں نے ''نظام الفتاویٰ'' کے نام سے کئی جلدیں چھاپیں، اب شاید اس کا سلسلہ موقوف ہوگیا ہے۔

''قواعدالفقہ'' پڑھنے کا شرف

دارالافتاء میں داخلے کے بعد حضرت مفتی صاحب کے پاس ہم لوگوں کو ''قواعدالفقہ'' پڑھنے کا شرف حاصل ہوا، حضرت کی آواز پست تھی اور نقاہت کی وجہ سے دور بیٹھے طلبہ سن نہیں پاتے تھے، بہت دھیان سے سبق پڑھنا پڑتا تھا، ایک بار ساتھیوں نے حضرت کے پاس سے قواعدالفقہ کے منتقل کرنے کی درخواست دینے کا ارادہ کیا، جب یہ بات میرے پاس آئی تو میں نے اس کی مخالفت کی اور کہا کہ دورۂ حدیث سے فارغ ہونے کا مطلب میں نے یہ سنا ہے کہ ساری کتابیں حل کرنے کی استعداد حاصل ہوجاتی ہے، اگر ہم لوگوں کے اندر قواعدالفقہ حل کرنے کی استعداد نہیں ہے تو افسوس ہے اور اگر ایک کتاب تبرک کے طور پر پڑھ لی جائے تو کیا حرج ہے؟ اور میں قریب بیٹھتا ہوں مجھے حضرت کی بات سمجھ میں آتی ہے؛ اس لیے میں اس مہم میں آپ لوگوں کا ساتھ نہیں دوں گا، چوں کہ دورۂ حدیث شریف میں میری پوزیشن آئی تھی؛ شاید اسی لیے ساتھیوں نے خاموشی اختیار کرلی کہ اس نے مخالفت کی تو درخواست منظور نہیں ہوگی۔

''تدریب افتاء'' میں استفادہ

اللہ تعالیٰ نے مزید دو سال کے لیے حضرت سے استفادے کا موقع عنایت فرمایا، اور تدریب فی الافتاء میں داخلہ منظور ہوگیا، اب کیا تھا کہ حضرت کے ساتھ بالکل آزادی کے ساتھ رہتا، اُن سے سوالات کرتا، اُن کے مزاج مذاق اور طرز واسلوب کو بہ غور دیکھتا۔ دارالافتاء میں آئے ہوئے سوالات کے جواب لکھ کر خدمت میں پیش کرتا، حضرت کا رسم الخط ہاتھ میں رعشہ کی وجہ سے صاف نہیں تھا؛ اس لیے اس کے صاف کرنے کا حسین موقع بھی نصیب ہوتا۔

رسم الخط کے صاف نہ ہونے کی وجہ سے دارالعلوم نے آپ کو فتویٰ نویسی سے مستثنیٰ کر دیا تھا، آپ صرف لکھے ہوئے فتاویٰ کو بہ غور دیکھتے اور دستخط فرما دیتے تھے۔

رکشہ سے گھر تک پہنچانے کی سعادت

عام طور سے چوتھے گھنٹے کے بعد حضرت کے پاس ہی بیٹھا رہتا تھا، کبھی تھوڑی دیر پہلے ہی گھر جانے کا ارادہ فرماتے، میں رکشہ لے کر حاضر ہوجاتا اور رکشہ والے کو حضرت دو روپے عنایت فرماتے تھے جب کہ ''مسجد قدیم'' سے ''طیب مسجد'' تک ہی جاتے تھے، اس وقت ریلوے اسٹیشن کا کرایہ دو روپے تھا۔

ہارٹ کی ٹکیہ

ایک بار دیکھا کہ حضرت نے اپنی جیب سے ایک ڈبیہ نکالی، اس میں چھوٹی چھوٹی گولیاں تھیں، حضرت نے ایک گولی زبان کے نیچے دبالی، میں نے کہا: حضرت یہ چھوٹی سی گولی کس مرض کی دوا ہے؟ فرمایا: قلب کی دوا ہے، مجھے دوبار ہارٹ اٹیک ہو چکا ہے، جب کبھی ادنیٰ سی پریشانی محسوس ہوتی ہے، اس میں سے ایک گولی کھالیتا ہوں، میں نے کہا: حضرت اگر کسی کو قلب کی بیماری نہ ہو اور وہ کھالے تو کیا ہوگا؟ حضرت نے ہنس کر فرمایا: پھر بیماری ہوجائے گی۔

خاتمہ بالخیر کی دعا کی درخواست

حضرت کے پاس تین سال رہنے کا اتفاق ہوا، آپ سے جب بھی کوئی ملتا تو رخصت ہوتے وقت اپنے لیے حسنِ خاتمہ کی دعا کی درخواست فرماتے تھے اور یہ درخواست نہایت ہی عاجزی سے کرتے تھے، ایسا لگتا تھا کہ چند دن کے مہمان ہیں، ضعف ونقاہت میں دن بہ دن اضافہ ہوتا چلا جارہا تھا۔

ایاز مئوی سے معافی کی درخواست

حضرت مفتی صاحب خارج میں بعض طلبہ کو کوئی کتاب پڑھاتے تھے یا فتویٰ نویسی کی تمرین بھی کراتے تھے، انھیں میں بھائی ایاز تھے، یہ مئو کے رہنے والے تھے، ان کو ''رسم المفتی'' پڑھانے کا حضرت نے وعدہ کرلیا تھا اور دوسری کتابیں پڑھاتے تھے، ایاز بھائی حضرت کی تحریر صاف کرنے کی خدمت بھی انجام دیتے تھے۔

وفات کے بعد ایاز بھائی سے ملاقات ہوئی انھوں نے نہایت غمگین لہجے میں کہا کہ حضرت کی وفات کے وقت میں قریب میں ہی تھا، حضرت کھانا کھاتے ہوئے مجھے کہنے لگے: ''ایاز اگر میری وفات ہوگئی اور میں تم کو ''رسم المفتی'' نہیں پڑھا سکا تو مجھے معاف کردینا''۔

تھوڑی دیر کے بعد ہی سینے میں درد محسوس ہوا اور قبلہ کی طرف رخ کرانے کو کہا اور یٰسین شریف پڑھنے کو کہا، تھوڑی ہی دیر میں وفات ہوگئی۔

اور مسجد قدیم کے مینارے سے آواز آئی، نہایت ہی افسوس کے ساتھ یہ اعلان کیا جاتا ہے کہ حضرت اقدس مفتی نظام الدین صاحب اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند کا انتقال ہوگیا ہے۔ اس اعلان نے ہر محبت رکھنے والے کو رنج وغم میں ڈبو کر لرزہ براندام کردیا۔

غیر محرم سے حد درجہ احتیاط

ایک دن ''طیب مسجد'' کے پاس اپنے مکان کے قریب رکشہ سے اتر رہے تھے، میں حضرت کو سہارا دے رہا تھا کہ ایک نقاب پوش بوڑھی عورت وہاں سے گزری حضرت کو اندیشہ ہوا کہ کہیں جسم چھو نہ جائے؛ حالاں کہ قدرے دور تھے، حضرت مفتی صاحب اس طرح سے ہٹے جیسے دہکتی آگ سے آدمی بچتا ہے اور بہ مشکل تمام گرنے سے بچے، اللہ اکبر! یہ دیکھ کر میں نے سبق لیا کہ ہر مؤمن کو گناہ سے ایسا ہی بچنا چاہیے جیسے حضرت بچ رہے ہیں؛ حالاں کہ عمر نوے سال سے آگے گزر رہی تھی۔ شہوات کا وہاں پر کیا گزر؟ اللہ تعالیٰ ہمیں اُن کی اتباع نصیب فرمائیں۔

فقیر کے پاس آنے کے لیے وقت نہیں لیا جاتا

حضرت الاستاذ مولانا اکرام اللہ صاحب فیض آبادی رحمۃ اللہ علیہ استاذ مدرسہ ریاض العلوم گورینی، جون پور (یوپی) ہر سال دیوبند آتے تھے اور صرف حضرت مفتی نظام الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ملنے کے لیے، فرماتے تھے کہ میرے ایک ہی استاذ صاحب باحیات ہیں، میں نے مئو میں حضرت سے پڑھا ہے۔

جب وہ دیوبند آئے تو مجھے بڑے خوشی ہوئی اور حضرت مفتی صاحب سے ملنے کا ارادہ فرمایا تو میں نے مناسب سمجھا کہ پہلے حضرت مفتی صاحب کو اطلاع کردوں تو بہتر رہے گا۔ میں مولانا کو اپنے دوسرے ساتھیوں کے ساتھ چھوڑ کر جلدی سے حضرت مفتی صاحب کے گھر پہنچا اور بتایا کہ حضرت الاستاذ تشریف لانا چاہ رہے ہیں۔ بس اتنا کہنا تھا کہ حضرت مفتی صاحب ناراض ہوگئے اور مجھ کو ڈانٹا اور فرمایا کہ فقیر کے پاس آنے کے لیے اجازت نہیں لی جاتی، یہ تو بادشاہوں کا طریقہ ہے، جاؤ اکرام اللہ سے کہہ دو کہ نہ آئے۔ اب میں بڑا شرمندہ ہوا، میں نے فوراً معذرت کی کہ حضرت میں اپنی مرضی سے آیا ہوں، انھوں نے مجھے وقت لینے کے لیے نہیں بھیجا ہے۔ اتنا سنتے ہی حضرت نرم ہوگئے اور فرمایا: ٹھیک ہے، آنے دو۔ تھوڑی ہی دیر بعد حضرت الاستاذ ملاقات کے لیے پہنچے اور نہایت ہی

نیازمندانہ پیش آئے، استاذ کے سامنے شاگرد کی تواضع اور فروتنی دیکھنے کی تھی۔

دفتر تعلیمات سے رقم لانے کا حکم

دارالعلوم دیوبند میں امتحانات کے سوالات تیار کرنے اور کاپیاں جانچنے کا معاوضہ ملتا ہے، سالانہ امتحان کے موقع سے حضرت نے سوالات بنائے تھے اور کاپیاں چیک کی تھیں، مجھ سے فرمایا کہ تعلیمات جاکر میرے پیسے لے آؤ، میں منشی سید محمد اسعد ہاشمی صاحب کے پاس گیا، اُن کو زیادہ مصروفیت تھی، پھر دوبارہ گیا تو انھوں نے بتایا کہ ان شاء اللہ ہفتہ کو لے جانا؛ لیکن ابھی ہفتہ آیا نہیں تھا کہ حضرت رحلت فرما گئے، میں منشی جی سے ملا اور پوچھا کہ اب کیا کروں؟ تو انھوں نے کہا کہ آپ مطمئن رہیں، حضرت کا حساب تیار ہوگا تو اس میں یہ شامل ہوکر ان کے ورثاء کو مل جائے گا، تو مجھے اطمینان ہوگیا۔

دارالعلوم دیوبند کا مکان چھوڑنے کی وصیت

حضرت نے ایک بار ارشاد فرمایا: کہ لوگوں نے دارالعلوم دیوبند کے مکان پر قبضہ کررکھا ہے، ملازم کی وفات کے بعد اس کے پس ماندگان مکان خالی نہیں کرتے ہیں، میں نے اپنے بچوں کو وصیت کردی ہے کہ دارالعلوم دیوبند کا مکان میری وفات کے بعد خالی کردیں۔

❁ ❁ ❁

جہیز کے چور دروازے

از: محمد طارق اعظم قاسمی

شاید عنوان سے آپ چونکے ہوں گے، مگر یقین جانیے کہ اسی چور دروازے کی بدولت یہ جہیز برسوں کی کوششوں کے باوجود بھی اول روز کی طرح تنومند اور توانا نظر آرہا ہے۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ اس جہیز کی تجویز ہی غلط ہوئی ہے یا پھر چوروں نے معاف کیجیے گا شریفوں نے اپنی دامن شرافت کو داغدار ہونے سے بچانے کے لیے اس کی تجویز ہی غلط یا محدود پیرائے میں کی ہے۔ خیر معاملہ جو بھی ہو؛ مگر عام طور پر سمجھا یہ جاتا ہے اور سمجھایا بھی یہی جاتا ہے کہ جہیز اصل وہ مال یا سامان ہے جس کا مطالبہ نا ہنجار لڑکے والے لڑکی والوں سے کرتے ہیں، اس کے علاوہ اور جو لین دین ہوتا ہے وہ جہیز کے حدود سے باہر اور خارج ہے۔ دیکھیں کتنی بڑی غلط فہمی ہے جو دانستہ یا نادانستہ طور پر پھیل رہی ہے یا پھیلائی جارہی ہے۔ میں نے اس چاہ میں کہ دیکھیں اہل لغت اس جہیز کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ لغت کھنگالا تو یہاں بھی مجھے یہ تفریق اور تفصیل نظر نہیں آئی بلکہ اہل لغت نے بغیر کسی تفصیل اور تفریق کے مطلق لکھا ہے کہ جہیز وہ ساز وسامان ہے جو لڑکی کو شادی کے وقت اپنے باپ کے گھر سے ملتا ہے۔ (اردو لغت)

گھبرائیں نہیں مقصد تحریر یہ نہیں ہے کہ میں جہیز کی لغوی اور فنی تحقیق پیش کروں۔ اصل میں اس جہیز کی وسعت اور ہمہ گیریت کو دکھلانا چاہتا ہوں جسے میں نے جہیز کے چور دروازے سے تعبیر کیا ہے۔ کچھ وسعت اور ہمہ گیریت کا اندازہ تو لغت سے ہو ہی گیا ہوگا، اور مزید وسعت اور ہمہ گیریت کے لیے ذیل کے چند چور دروازے ملاحظہ کریں:

۱- ہمیں تو کچھ نہیں چاہیے ویسے آپ اپنی بیٹی اور صاحبزادی کو خوشی سے جو دینا چاہیں ہمیں اس سے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔

۲- آپ اپنی بیٹی اور صاحبزادی کو کیا دے رہے ہیں؟

۳- مطالبہ کچھ تو نہیں ہے؛ مگر گھر میں ریفریجریٹر اور واشنگ مشین وغیرہ کی ضرورت ہے۔

۴- گھر میں تو سبھی کچھ موجود ہے؛ مگر یہ بیٹے کا روزانہ بازار مارکیٹ وغیرہ آنا جانا لگا رہتا ہے۔ بین السطور سے سمجھ ہی گئے ہوں گے مقصد کیا ہے؟

یہ مشتے نمونہ از خروارے چند چور دروازے ہیں، اس کے علاوہ اور بھی چور دروازے ہیں جو چور حضرات معاف کیجیے گا شریف حضرات ایسے موقعوں پر اپنی شرافت کا اعلیٰ مظاہرہ کرتے ہوئے ان چور دروازوں کا استعمال کرتے ہیں۔

میں نے اپنے ایک دیرینہ رفیق سے جب ان چور دروازوں کا ذکر کیا تو انھوں نے برملا اور برجستہ یہ کہا کہ یہ چور دروازے کہاں یہ تو کھلے دروازے ہیں۔ پہلے خیال تھا کہ میری یہ رائے شدت پر مبنی ہے پر اس تبصرے کے بعد اندازہ ہوا کہ میری رائے نرم اور مبنی بر احتیاط ہے۔

خوشی سے دینے کی بات زیادہ کی جاتی ہے اس میں شرفاء کچھ حرج نہیں سمجھتے ہیں؛ بلکہ اسے محمود خیال کرتے ہیں۔ آیئے اس کا ذرا دقت نظر سے جائزہ لیتے ہیں۔

لڑکیوں کے والدین جہیز یا تو سماج اور معاشرے کے دباو میں دیتے ہیں، یا دفعِ ظلم کے طور پر دیتے ہیں کہ ان کی لاڈلی کو ان کے سسرال میں ظلم وستم کا تختۂ مشق نہ بنایا جائے یا پھر اپنی نام ونمود کے لیے دیتے ہیں۔ بیٹی کی محبت ان تینوں کے ذیل میں آجاتی ہو تو خیر ہے ورنہ اس کا وجود شاذ ہی ہے۔ اگر شرفاء کے اس دعوے کو تسلیم بھی کرلیا جائے کہ وہ برضا ورغبت اس مقدس جہیز کو دے رہے ہیں تب بھی یہ دینا ناپسندیدہ ہے۔ اتنی بڑی بات میں بڑی ذمہ داری سے کہہ رہا ہوں، اس کی دو بڑی وجہیں ہیں۔

پہلی وجہ؛ فقہ کا ایک مشہور قاعدہ ہے ''المعروف کالمشروط'' اس کا مطلب یہ ہے کہ جو چیزیں معاشرے میں چل پڑتی ہیں یا عام اور معروف ہوجاتی ہیں تو اب ایسی چیزیں شرط کی مانند ہوجاتی ہیں خواہ صاحب معاملہ نے اس کا ذکر کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ اس اصول کی روشنی میں خوشی سے جہیز دینے کو دیکھیں کہ اس جہیز کے لین دین کا رواج اس قدر بڑھ چکا ہے کہ بغیر اس کے نکاح اور شادی جیسے مقدس فریضے کا تصور ہی نہیں کہ ادھر بیٹی کے نکاح کا خیال آیا اور اسی دم چشم تصور میں جہیز نے آکر غریب والدین کا منہ چڑایا۔ جہیز کے اس چلنِ بد کی انتہا یہ ہے کہ اگر لڑکے والے منع بھی کریں تو یہ لڑکی والے اپنی نیک نیتی کے ساتھ اس منع کو خواہ حقیقی ہی کیوں نہ ہو مجاز پر محمول کرتے ہوئے رسمی سمجھ کر سنی اَن سنی کردیتے ہیں اور بیٹی کے باپ ہونے کا حق پورا نبھاتے ہیں۔ گویا لڑکے کی جانب سے مطالبہ ہو یا نہ ہو یہ جہیز ملنی ہی ہے، اور لڑکے والے خواہ انھوں نے زبان سے کچھ نہ کہا ہو، مگر دل سے اس کے متمنی اور منتظر رہتے ہیں، الا ماشاء اللہ۔

دوسری وجہ؛ فقہ کا ایک مسلم اصول ہے کہ امر مستحب پر اصرار جائز نہیں ہے۔ مستحب کسے کہتے

ہیں اور امر مستحب پر اصرار کا کیا مطلب ہے؟ اس کی تفصیل کے لیے کتاب المسائل کا یہ اقتباس ملاحظہ کریں؛ ''اصطلاحِ شریعت میں جس عمل پر ادب اور مستحب کا اطلاق کیا جاتا ہے اس کی حیثیت یہ ہے کہ اگر اسے اختیار کیا جائے تو ثواب ملے گا اور اگر عمل نہ کیا جائے تو کوئی گناہ نہ ہوگا۔ ولھا اٰداب ترکه لا یوجب إسائةً، ولا عتاباً کترك سنة الزوائد لکن فعله افضل. (درمختار مع الشامی بیروت، درمختار زکریا)

مذکورہ بالا صراحت سے یہ بات واضح ہوگئی کہ کسی مستحب امر پر اس قدر اصرار کرنا کہ اس کے نہ کرنے والے پر طعن وتشنیع کی نوبت آجائے یہ قطعاً جائز نہیں ہے اور اگر کسی جگہ مستحب کو ایسی مبالغہ آمیز حیثیت دی جانے لگے تو پھر عارض کی وجہ سے وہ مستحب، مستحب نہ رہے گا؛ بلکہ قابلِ ترک ہوجائے گا؛ تاکہ شرعی احکام کے درجات کا بھرپور تحفظ کیا جاسکے۔ اس سلسلہ میں ہمیں بہترین رہنمائی سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے اس ارشاد سے ملتی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ کوئی شخص اپنے عمل میں شیطان کا حصہ نہ رکھے اور یہ نہ سمجھے کہ اس پر نماز کے بعد دائیں جانب ہی رخ کرکے بیٹھنا ضروری ہے؛ اس لیے کہ میں نے خود آں حضرت ﷺ کو بائیں جانب بیٹھتے ہوئے بھی دیکھا ہے۔ یعنی دائیں طرف رخ کرنا گو کہ مستحب ہے؛ مگر اس پر اصرار کرنا شیطانی عمل ہے، جس سے بچنے کی صحابیِ رسول حضرت عبداللہ بن مسعودؓ تلقین فرمارہے ہیں۔ **عن ابن مسعودؓ قال: لا یجعلن احدکم للشیطان من نفسه جزئاً لا یری إلّا ان حقاً علیه ان لا ینصرف إلا عن یمینه، اکثر ما رایت رسول اللّٰه ﷺ ینصرف عن شماله.** (مسلم شریف، حدیث:، موسوعۃ اثار الصحابۃ، ''کتاب المسائل جلد اول)

اس اقتباس کی روشنی میں خوشی سے دی جانے والی جہیز کو دیکھیں کہ یہ مستحب کے دائرے میں بھی نہیں آتا ہے اور اس پر اصرار کس قدر ہے اس کی تفصیل پہلے آچکی ہے کہ اس کے بغیر نکاح کا تصور ہی ناممکن سا ہے، آج کل کی شادی میں پلنگ اپنے تمام لوازمات کے ساتھ جیسے گدا، چادر، تکیہ وغیرہ کے ایک نہیں کئی سیٹ، دولہا کے لیے مستقل آرائشی سامانوں سے بھرا لگژری سوٹ کیس، الماری، کرسی، ٹیبل پنکھے، برتنوں کے کئی سیٹ، فریج، واشنگ مشین اور حسب حیثیت گاڑی، ٹی وی اور بھی دیگر ساز وسامان اس طرح سے دیئے جاتے ہیں گویا کہ شریعت مطہرہ نے اسے فرض قرار دیا ہے اور ان ساز وسامان کے بغیر شادی ہی منعقد نہیں ہوتی۔ حیثیت والے حیثیت سے زیادہ تو دیتے ہی ہیں اور جو حیثیت نہیں رکھتے وہ بیچارے بھاری بھرکم قرض اور لون لے کر اس کی قیمت چکاتے ہیں۔ جہیز ایک امر مستحب بھی نہیں اور مزید اس پر اصرار۔ کیا اس کا ترک ہمارے لیے اب بھی واجب نہیں ہونا چاہیے؟

خدارا ان دو مذکورہ شرعی اصولوں کی بنیاد پر خود فیصلہ کریں اور اپنے ضمیر اور دل کے مفتی سے فتوی لیں کہ کیا جہیز کی مروجہ شکل لائقِ اختیار ہے؟ اکثر لڑکے اور لڑکیاں ایسے ہیں جن پر نکاح فرض یا واجب ہے؛ مگر سماج کے ظالمانہ رسوم ورواج اور جہیز کے انھیں چور دروازوں کی وجہ سے یہ نکاح کر نہیں پا رہے ہیں یا ان کا نکاح ہو نہیں پا رہا ہے، اور نئی نسل کی ایک بڑی تعداد اسی وجہ سے سنگین گناہوں میں مبتلا ہو رہی ہے۔ گویا کہ جہیز کے یہ چور دروازے اور ظالمانہ رسمیں نکاح جیسے مقدس فرض کی ادائیگی میں رکاوٹ بن رہے ہیں، تو کیا دفع ظلم اور دفع گناہ کے لیے اس رکاوٹ کا دور کرنا ضروری نہیں ہے؟ اسلام کی ایک امتیازی خوبی یہ بھی ہے کہ گناہوں اور جرائم پر پابندی لگانے کے ساتھ ساتھ ان ذرائع اور راستوں پر بھی پابندی لگاتا ہے جو ان گناہوں اور جرائم تک پہنچانے والی ہوتی ہیں۔ نظر بد پر اسلام نے پابندی اسی لیے لگائی کہ یہ زنا کے لیے آلہ کار ہے۔ کیا اب یہ ضروری نہیں ہے کہ جہیز کے ان چور دروازوں کا بالکلیہ سد باب کیا جائے، اور اس کے ہولناک شر سے انسانیت کو بچایا جائے۔

یہ تو پہلے فریق کا ذکر خیر ہوا، اب دوسرے فریق کا بھی ذکر خیر سن لیں کہ بعض قارون صفت نشۂ مال سے سرشار اور اس کی محبت میں غرق ہو کر باوجود فریق اول (لڑکے والوں) کے منع اور انکار کے اسراف، فضول اور پیسوں کو پانی کی طرح بہانے پر مصر رہتے ہیں، اور معذرت کے ساتھ اس فضول خرچی کا اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت اور محبت سے تو دور کا بھی واسطہ نہیں ہے، اور نا ہی اس فضول خرچی کا تعلق بیٹی کی محبت سے ہوتا ہے؛ بلکہ اس کا رشتہ اور تعلق محض تفاخر، نمود و ریا اور اپنی بدنام شہرت سے ہوتا ہے۔ اس کا نفس اور شیطان یہ کہہ کر تسلی دیتا رہتا ہے کہ یہ تیرا مال ہے تجھے مکمل اختیار حاصل ہے کہ تو اسے جیسے چاہے جہاں چاہے خرچ کر۔ اس دھوکے میں یہ بھول جاتا ہے کہ مال تو درکنار اپنے جسم و جاں پر بھی اسے مکمل اختیار حاصل نہیں ہے؛ بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمت ہے جو بہ طور امانت اس کے پاس ہے۔ امانت میں خیانت ایک مسلم مانا ہوا سنگین جرم ہے۔ مال کہاں سے، کیسے کمانا اور کہاں کیسے خرچ کرنا ہے؟ اسلام نے اس کی پوری تفصیل بیان کی ہے۔ شادی کی یہ شاہ خرچیاں فضول خرچی کے ذیل میں آتی ہیں، فضول خرچی اسلام میں انتہائی ناپسندیدہ عمل ہے، قرآن حکیم میں فضول خرچوں کو شیطان کا بھائی کہا گیا ہے۔ یعنی ریا، نمود و شہرت، اسراف اور فضولی خرچی کی وجہ سے بھی جہیز کے ان چور دروازوں کی گنجائش نہیں ہے۔

اخلاقی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو جہیز کے چور دروازوں کی نوعیت اور بھی سنگین ہو جاتی ہے۔ اس رسمی اور نمائشی جہیزوں کو دیکھ کر اعزہ، اقربا اور پڑوسیوں میں سے کتنے ہی ایسے ہوتے ہوں

گے جن کا سینہ شق ہوجاتا ہوگا، آنکھیں آنسوؤں سے بھر جاتی ہوں گی اور کتنے ہی تمناؤں اور ارمانوں کا خون ہوتا ہوگا۔

یہ محض مبالغہ آرائی نہیں ہے؛ بلکہ آپ چشم بصیرت سے دیکھیں گے تو آپ کو بھی اس خوشی کے ماحول میں غم کی یہ تصویریں چلتی پھرتی نظر آئیں گی۔ اس کے علاوہ اور بھی اخلاقی قباحتیں معاشرتی اور سماجی برائیاں وغیرہ اس میں پائی جاتی ہیں۔ اخلاقی نقطہ نظر سے بھی ان چور دروازوں کے لیے کوئی جواز کا پہلو نظر نہیں آتا ہے۔

بعض دریدہ دہن اپنے اس عمل بد کے جواز میں جہیز فاطمی کو پیش کرتے ہیں، گویا بیخبری میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن عدالت کو داغدار کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس طور پر کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ قدر ضرورت سامان صرف حضرت علی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما کو ہی نکاح کے موقع پر عطا فرمایا تھا۔ اس کے علاوہ کسی اور بھی بیٹی کو ان کے نکاح کے موقع پر کچھ دینا ثابت نہیں ہے۔ ان بہ قدر ضرورت سامان کے لیے مروجہ لفظ جہیز کا استعمال بھی ذوق پر گراں گذرتا ہے۔ اس لیے کہ ان بہ قدر ضرورت سامانوں اور مروجہ جہیز کے چور دروازوں میں دور کی بھی نسبت نہیں ہے۔ نسبت کیوں نہیں ہے؟ اس کی وضاحت کے پیش نظر جہیز فاطمی کی مختصر تحقیق پیش کردوں؛ تاکہ بات پوری طرح سے واضح ہوجائے اور کسی قسم کا ابہام باقی نا رہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہی زیر تربیت اور زیر پرورش تھے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نا ہی اپنا کوئی ذاتی مکان رکھتے تھے اور نا ہی دیگر ضروریات زندگی کے اسباب آپ کو اس وقت میسر تھے۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بحیثیت مربی اور سرپرست کے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو زرہ فروخت کرنے کا حکم دیا اور اسی زرہ کی قیمت سے آپ نے ضرورت کی چیزیں تیار کروائیں اور بقیہ رقم کو مہر ٹھہرایا۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ نے کتب شیعہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی نکاح کا سامان (جہیز) تیار کرنے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مدد کی تھی۔ (المرتضیٰ)

جہیز فاطمی کی حدیث کی شرح کرتے ہوئے اور اس کی تحقیق کرتے ہوئے حضرت مولانا منظور نعمانی صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''ہمارے ملک کے اکثر اہل علم اس حدیث کا مطلب یہی سمجھتے اور بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ چیزیں (چادر، مشکیزہ، تکیہ) اپنی صاحبزادی

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کے موقع پر ''جہیز'' کے طور پر دی تھیں لیکن تحقیقی بات یہ ہے کہ اس زمانہ میں عرب میں نکاح شادی کے موقع پر لڑکی کو جہیز کے طور پر کچھ سامان دینے کا رواج؛ بلکہ تصور بھی نہیں تھا اور جہیز کا لفظ بھی استعمال نہیں ہوتا تھا۔ اس زمانہ کی شادیوں کے سلسلے میں کہیں اس کا ذکر نہیں آتا۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری صاحبزادیوں کے نکاح کے سلسلے میں بھی کہیں کسی قسم کے جہیز کا ذکر نہیں آیا، حدیث کے لفظ ''جھز'' کے معنی اصطلاحی جہیز دینے کے نہیں؛ بلکہ ضرورت کا انتظام اور بندوبست کرنے کے ہیں۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان چیزوں کا انتظام حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سرپرست ہونے کی حیثیت سے انھیں کی طرف سے اور انھیں کے پیسوں سے کیا تھا؛ کیونکہ یہ ضروری چیزیں ان کے گھر میں نہیں تھیں۔ روایات سے اس کی پوری تفصیل معلوم ہوجاتی ہے۔ بہرحال یہ اصطلاحی جہیز نہیں تھا''۔ (معارف الحدیث جلد ہفتم)

مزید تحقیق مفتی دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا مفتی ظفیر الدین مفتاحی رحمہ اللہ کے الفاظ میں ملاحظہ کریں، تحریر فرماتے ہیں؛ کہ ''حضرت فاطمہ کی شادی کے سلسلہ کی تمام روایتوں کو سامنے رکھنے کے بعد نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ حضرت علی نے اپنی زرہ مہر میں دیدی تھی گھر میں کوئی سامان نہیں تھا خود سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اپنی طرف سے وہ سامان نہیں کرسکتے تھے؛ اس لیے آپ نے حضرت علی سے فرمایا کہ مہر والی زرہ فروخت کردو اور اس سے جو رقم آئے اس سے ضروری سامان خرید لو خود حضرت علی کا بیان ہے۔'' میں نے اس زرہ کو عثمان بن عفان کو چار سو اسی درہم میں فروخت کردیا؛ مگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے زرہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو واپس کردی، حضرت علی رضی اللہ عنہ زرہ اور درہم لے کر حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے دعا کی۔'' (فتاوی دارالعلوم دیوبند)

بنظر انصاف اس کا جائزہ لیں اور خود فیصلہ کریں کہ مروجہ جہیز اور حضرت فاطمہ حضرت علی رضی اللہ عنہما کو بہ قدر ضرورت دیئے گئے سامان میں کوئی نسبت اور تعلق ہے؟ یہاں محض خواہش نفس کی تکمیل مقصود ہے اور وہاں صرف ضرورت کی تکمیل مقصود تھی۔ چہ نسبت خاک را بہ عالمِ پاک۔

اس پوری تفصیل سے یقیناً یہ واضح ہوگیا ہوگا کہ مروجہ جہیز اور جہیز کے چور دروازوں کی شرعاً اور اخلاقاً کسی بھی اعتبار سے گنجائش نہیں ہے۔

چند گذارشات

شاہین صفت نوجوانوں سے عاجزانہ درخواست ہے کہ کچھ نا لینے کے شرط پر انتہائی سادگی کے

ساتھ نکاح کریں۔

نکاح کے لیے کسی دور بستی یا شہر میں جانا ہو تو صرف چار پانچ افراد کے ساتھ ہی جائیں، فلاں فلاں رشتہ دار کے چکر میں پڑ کر خود پر اور مظلوم معاشرے پر مزید ظلم نہ ڈھائیں۔

اپنے بھائیوں اور اپنے ماتحتوں کی بھی اسی طرح سادگی کے ساتھ نکاح کریں۔

لڑکیوں کے سلسلے میں لوگ خود کو زیادہ کمزور اور دباو میں محسوس کرتے ہیں، اس لیے لڑکے والوں کے ہر ناجائز مطالبے کو سر جھکا کر تسلیم کر لیتے ہیں۔ خدارا اس بے بسی اور کمزوری سے باہر نکلیں، خدا کی ذات پر اعتماد کرتے ہوئے پوری قوت اور ہمت کے ساتھ ان کے ہر ناجائز مطالبے کو ٹھکرا دیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو، آپ کے اہل کو اور آپ کی کوششوں کو ضائع نہیں کرے گا اور یقیناً اس سے بہتر نوازے گا ان شاء اللہ، بس یقینِ محکم اور عملِ پیہم شرط ہے۔

شادی سے پہلے منگنی وغیرہ کی دس قسم کی رسمیں اور شادی کے بعد منہ دکھلائی وغیرہ کی بیس قسم کی رسمیں سب کا مکمل بائیکاٹ کریں، یہ رسمیں بھی ہلاکت اور تباہی کے اعتبار سے شریک جرم اور شریک گناہ میں جہیز سے کم نہیں ہیں۔

چٹ منگنی پٹ بیاہ کو فروغ دیں، اگر یہ نہ ہو تو کم از کم اتنا تو ہو ہی کہ ہماری شادی میں نکاح کے بعد صرف ولیمہ ہو اور کوئی بھی رسم نہ ہو۔

اگر ہم ایسا کوئی اجتماعی نظام بنا سکتے ہیں تو ضرور بنائیں کہ جس سے اس طرح کی غیر شرعی اور غیر اخلاقی شادی کی حوصلہ شکنی ہو، جیسے اجتماعی طور پر ایسی شادیوں کا بائیکاٹ کیا جائے۔ اجتماعی اگر نا ہو تو انفرادی طور پر ایسی پہل ضرور ہونی چاہیے گو کہ ہمیں یہ ناگوار اور سخت معلوم ہو۔

اگر آپ اس برائی کو ختم کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں تو یہ سخت قدم اٹھائے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے۔

جہیز لین دین اور شادی سے پہلے اور بعد کی ناجائز اور ظالمانہ رسوم کے تعلق سے ہم اپنے گھر کی عورتوں کی ضرور ذہن سازی کریں اور اصلاح کریں۔ یہ بہت ضروری ہے اس لیے کہ اس معاملے میں زیادہ تر عورتیں ہی ملوث رہتی ہیں، اور بہت ہی افسوس کے ساتھ یہ لکھنا پڑ رہا ہے کہ اس معاملے میں صنف نازک پر ظلم ڈھانے میں صنف نازک ہی پیش پیش ہے۔

ہم میں سے ہر ایک اس کا خواہش مند ہوتا ہے کہ ہمارے نکاح میں خوب برکت ہو، مگر برکت کا جو نسخۂ اکسیر نبی ﷺ نے بتلایا ہم اسے یکسر نظر انداز کر دیتے ہیں۔ وہ نسخۂ اکسیر یہ ہے ''سب سے با برکت نکاح وہ ہے جس میں کم سے کم خرچ میں ہو'' (مسند احمد) اس نسخہ اور تھرمامیٹر سے بھی ہم اپنے نکاح کو جانچیں کہ آیا یہ نکاح بابرکت ہے یا نہیں؟

اخیر میں ہم یہ نوشتۂ دیوار بھی پڑھ لیں کہ جب تک ہمارے معاشرے کے شرفاء، امراء، زعماء اور علماء نکاح میں سادگی اور سنتِ رسول کو عملی طور پر اختیار نہیں کریں گے، جہیز کے ان چوپٹ کھلے چور دروازوں کو بند نہیں کریں گے اور شادی منگنی وغیرہ کی فضول ناجائز اور ظالمانہ رسموں پر قدغن نہیں لگائیں گے، یقین جانیے تب تک یہ جہیز اور یہ ظلم یونہی پروان چڑھتا رہے گا پھلتا اور پھولتا رہے گا، گو کہ لاکھ اس کے خلاف نعرے لگائے جائیں، تحریکیں چلائی جائیں، ریلیاں نکالی جائیں اور انسانی زنجیریں بنائی جائیں۔ سب بے سود بیکار ثابت ہوں گی !!!

نقش ہیں سب ناتمام خونِ جگر کے بغیر
نغمہ ہے سودائے خام خونِ جگر کے بغیر

ماقبل سے ربط ڈھونڈھے بغیر حکیم الامت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے اس آفاقی اور لازوال شعر کو بھی من میں گنگنالیں۔

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغ زندگی
تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن، اپنا تو بن

❁ ❁ ❁

جانشینِ حکیم الاسلام

حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ

۱۳۴۴ھ/۱۹۲۶ء - ۱۴۳۹ھ/۲۰۱۸ء

(۱)

بہ قلم: مولانا نور عالم خلیل امینی
چیف ایڈیٹر ''الداعی'' عربی و استاذ ادبِ عربی
دارالعلوم دیوبند

سنا ہے خاک سے تیری نمود تھی ؛ لیکن
تری سرشت میں تھی کوکبی و مہتابی

شنبہ: ۲۶؍رجب ۱۴۳۹ھ مطابق ۱۴؍اپریل ۲۰۱۸ء کو، ۲ بج کر ۱۷ منٹ پر حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب نور اللہ مرقدہ (۱۳۱۵ھ/ ۱۸۹۷ء - ۱۴۰۳ھ/ ۱۹۸۳ء) سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند کے صاحب زادۂ اکبر حضرت مولانا محمد سالم قاسمی معروف بہ ''خطیب الاسلام'' نے دیوبند میں دارالعلوم سے متصل اپنے دولت کدے پر جان جان آفریں کے سپرد کردی۔ إنا لله وإنّا إليه راجعون۔ وہ تقریباً عرصہ دوسال سے رہینِ فراش تھے۔ وفات سے کوئی ایک ہفتہ قبل زیادہ بیمار ہوگئے۔ ۷؍اپریل = ۱۹؍رجب کو انھیں مقامی ڈاکٹر: ڈی۔ کے۔ جین، کے ہسپتال میں داخل کیا گیا؛ کیوں کہ اُنھیں سانس لینے میں شدید دشواری ہورہی تھی۔ ۵؍اپریل = ۱۷؍رجب سے ہی انھوں نے کھانا لینا چھوڑ دیا تھا۔ مذکورہ ڈاکٹر نے کہا کہ انھیں کم زوری کے علاوہ کوئی بیماری نہیں ہے، کمزوری کی وجہ سے ہی سانس لینے میں دشواری پیش آرہی ہے۔ چناں چہ اُس نے مشورہ دیا کہ آکسیجن رسا مشین ''کارڈی ایک مانیٹر'' Cardiac Monitor یعنی سانس اور دل کی دھڑکن کو مربوط و منظم رکھنے والی مشین مُیَسَّرْ ہو، تو بہتر ہے کہ انھیں گھر ہی پر رکھا جائے، وہاں زیادہ آرام رہے گا۔ ان کی زندگی کے گنے چنے اوقات رہ گئے ہیں، ہر چند کہ موت وحیات خدا کے ہاتھ میں ہے۔ چناں چہ اہلِ خانہ

اُنھیں ۸؍اپریل = ۲۰؍رجب کو گھر لے آئے اور اُن کے رہایشی کمرے میں مذکورالصدر مشین کے ذریعے اُن کی حالت کو مستحکم رکھنے کی کوشش کی جاتی رہی، ایک ڈاکٹر ہمہ وقت مصروفِ خدمت رہا، اہل خانہ اور متعلقین بھی تیمارداری کی سعادت سے شب وروز بہرہ یاب رہے؛ لیکن کوئی تدبیر پیش نہ گئی۔ وقتِ آخر آبِ زم زم کے دو تین گھونٹ دیے جانے کے دوران اُنھوں نے ازخود اپنے سر کو بائیں جانب سے دائیں جانب کرلیا اور آخری سانس لے لی۔ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى وأَدْخَلَهُ جَنَّةَ الْفِرْدَوْسِ مَعَ الْأَنْبِيَاءِ وَالْأَخْيَارِ مِنْ أُمَّةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ انتقال کے وقت اُن کی عمر سال ہاے ہجری کے اعتبار سے ۹۴ سال اور سال ہاے عیسوی کے لحاظ سے ۹۲ سال تھی؛ کیوں کہ ان کی تاریخِ ولادت ۸؍جنوری ۱۹۲۶ء مطابق ۲۲؍جمادی الاُخری ۱۳۴۴ھ ہے۔

تیمارداری کے دوران اہلِ خانہ نے قرآن پاک کی تلاوت کا خاصا اہتمام کیا، ایک شب میں تلاوت کے دوران ایک خاص قسم کی بڑی لطیف خوشبو اُن لوگوں کو محسوس ہوئی، جو کئی منٹ تک باقی رہی۔ مولاناؒ کے خادم نے بتایا کہ ہم لوگوں کے دل نے کہا کہ کیا عجب کہ یہ فرشتۂ رحمت کی آمد کی علامت اور اللہ کے خاص فضل وکرم کے نزول کا اشارہ ہو۔

ان کی وفات کی خبر دیوبند، اندرون ملک اور بیرون ملک میں برقِ خاطف کی طرح پھیل گئی اور علما وطلبہ وخواص کے ساتھ عوام کا ان گنت مجمع اُن کے خاکی جسم کو دیکھنے کے لیے ٹوٹ پڑا۔ مغرب بعد ہی اُن کے جنازے کو دارالعلوم دیوبند کے دارالحدیث تحتانی میں زیارتِ عام کے لیے رکھ دیا گیا تھا۔ یہاں بھی قبل عشا اور بعد عشا لوگوں کی بھیڑ ختم ہونے کا نام نہیں لے رہی تھی۔

۲۶-۲۷؍رجب = ۱۴-۱۵؍اپریل: شنبہ یک شنبہ کی رات میں ٹھیک دس بجے اُن کی نماز جنازہ دارالعلوم کے مشہور احاطۂ مولسری میں اُن کے فرزندِ اکبر مولانا محمد سفیان قاسمی مہتمم دارالعلوم وقف نے پڑھائی۔ نماز جنازہ اور تدفین میں ہزاروں کے مجمع نے شرکت کی۔ بھیڑ کی وجہ سے بڑی دشواری سے قبرستانِ قاسمی میں جنازہ پہنچا، کوئی ۱۲ ½ بجے رات میں تدفین سے فراغت ہوئی۔

جمعرات: ۲۴؍رجب ۱۴۳۹ھ مطابق ۱۲؍اپریل ۲۰۱۸ء کو کوئی ۱۰ بجے صبح کو راقم الحروف جامعہ انور دیوبند کے استاذ عزیز مکرم مولانا وصی احمد قاسمی کے ہم راہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے دولت کدے پر عیادت کے لیے پہنچا اور لرزیدہ قدم اُن کے مکان کے دروازہ میں داخل ہوا تو معلوم ہوا کہ ''نانوتہ'' (اُن کے آبائی وطن) سے کچھ مرد وخواتین اُن کی عیادت کو آئی ہوئی ہیں۔ اُن کے ہمہ وقت کے خادم مولانا شاہد مدھوبنی بغل کے کمرے میں دو چار منٹ انتظار کرنے کے لیے ہمیں بیٹھنے کی

دعوت دے ہی رہے تھے کہ اندر کسی ذریعے سے مولانا سفیان قاسمی کو راقم کی آمد کی خبر ہوگئی۔ وہ اور اُن کے صاحب زادے مولانا شکیب قاسمی ڈائرکٹر حجۃ الاسلام اکیڈمی دارالعلوم وقف لپک کر ہماری طرف کو آئے اور مذکورہ مرد وخواتین کو کسی اور کمرے میں کرکے فوراً حضرت مولاناؒ کے کمرے میں بلالیا۔ جیسے ہی ان کے چہرے پر نظر پڑی ایسا لگا کہ مسافرِ جنت لیٹا ہوا اپنی راہ تک رہا ہے اور رفیقِ سفر فرشتے کے انتظار میں بے چین لمحوں کو بہ مشکل گزار رہا ہے۔ مشینی تاروں کا سلسلہ اُن کے اردگرد پھیلا ہوا، تھا ناک پر پلاسٹک کا ایک ڈھکن نما غلاف پڑا ہوا تھا اور وہ پریشانی کے ساتھ منھ کھول کر سانس لے رہے تھے، گویا ناک سے سانس لینا مشکل ہو رہا تھا۔

چند منٹ بیٹھ کر راقم واپس ہوا تو مولانا محمد سفیان اور مولانا شکیب دروازے تک ہمیں چھوڑنے کے لیے آئے، ہم نے وقتِ رخصت عرض کیا کہ آپ لوگ بڑے خلوص واہتمام سے تیمارداری کے حوالے سے حق پیدری ادا کررہے ہیں اور جب تک حیات ہیں اور کریں گے اِن شاء اللہ یہ آپ لوگوں کے لیے بہ راہ راست اور یقینی طور پر داخلۂ جنت کا ذریعہ ہوگا۔ مولانا سفیان نے کہا کہ آپ صحیح فرمارہے ہیں؛ کیوں کہ ہر نعمت کا کوئی نہ کوئی بدل ہے، باپ ماں کی نعمت کا کوئی بدل نہیں۔

برصغیر کے مدارس، علمی ودینی اداروں اور ملی تنظیموں کے لیے خصوصًا اور پوری دنیا کے دینی، دعوتی اور اسلامی حلقوں کے لیے عموماً حضرت مولانا کی وفات کی خبر بے حساب صدموں کا باعث بنی؛ اِسی لیے سبھوں نے اِیصالِ ثواب کا اہتمام کیا، تعزیتی جلسے ہوئے، اُن کی گراں مایہ علمی، دینی، دعوتی، اجتماعی اور ملی خدمات کو بے پناہ سراہا گیا اور ان کی وفات کو بہ جا طور پر عظیم ملی ودینی وعلمی خسارہ قرار دیا گیا۔

ہر چند کہ حضرت مولاناؒ نے طویل العمری میں وفات پائی اور علم ودین کی خدمت سے بھرپور زندگی گزاری، زمانے کی گردشوں اور شب وروز کے تغیرات کا خوب خوب مشاہدہ کیا، تجربات ومشاہدات کی دھوپ چھاؤں اور حالات وواقعات کی نیرنگیوں سے اتنی بارگزرے کہ مزید تجربوں اور مشاہدوں کی کوئی تمنا رہ گئی تھی نہ کوئی حسرت۔ گنے چنے لوگوں کو ہی جن کو اللہ تعالی اپنے دین کی طویل خدمت کی غیر معمولی سعادتوں سے نواز کر اُن کے نامۂ اعمال کو بوجھل بنانا چاہتا ہے؛ اُن کے ایسی دراز عمری سے نوازتا ہے۔ وہ بالعموم صحت مند رہے کسی الم ناک اور خطرناک بیماری میں مبتلا نہ ہوئے۔ پرہیزی تدبیروں اور کھانے پینے میں احتیاط کی پابندی کی اذیت سے بھی عام طور پر بچے رہے، حتی کہ وہ شکر خوری کے سلسلے میں اپنی شہرت کے باوجود الحمدللہ شکر کی کثیر الامراض وخطیر العوارض

بیماری کا کبھی شکار نہ ہوے۔ عرصے سے اُن کی ٹانگوں بالخصوص گھٹنوں اور پنڈلیوں میں خاصی کم زوری کی شکایت تھی جس کی وجہ سے وہ صحیح طور پر نہیں چل پاتے تھے اور اٹھنے بیٹھنے میں بھی دشواری ہوتی تھی؛ لیکن صحت کی عمومی نعمتوں سے بہرہ ور ہونے کی جہ سے، بڑے حوصلہ منداور کثیر الاسفار تھے۔

لیکن سن رسیدگی کے طویل وطبعی دورانیے کوعبور کرنے کے بعد بھی اُن کی موت سے نہ صرف علما وطلبہ وخواص اور نہ صرف جماعتوں اور تنظیموں کو غیر معمولی صدمہ ہوا؛ بل کہ برصغیر اور پوری دنیا کے اُن سارے مسلمانوں کو بہت رنج والم ہوا، جو اُن کے مقام ومرتبے سے آشنا تھے؛ کیوں کہ وہ خاکی نسب اور علمی ودینی سلسلے دونوں اعتبار سے غیر معمولی عظمت کے حامل تھے۔ اُن کا سلسلۂ نسب ۴۸ واسطوں سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ سے جاملتا ہے۔ جوحسب ذیل ہے:

(مولانا) محمد سالم (قاسمی)، بن محمد طیب، بن محمد احمد، بن محمد قاسم، بن اسدعلی، بن غلام شاہ، بن محمد بخش، بن علاء الدین، بن محمد فتح، بن محمد مفتی، بن عبدالسمیع، بن محمد ہاشم، بن شیخ شاہ محمد، بن قاضی طٰہٰ، بن شیخ مفتی مبارک، بن امان اللہ، بن جمال الدین، بن قاضی شیخ میران بڑے، بن قاضی مظہرالدین، بن نجم الدین الثانی، بن نورالدین الرابع، بن قیام الدین، بن ضیاء الدین، بن نورالدین الثالث، بن نجم الدین، بن نورالدین الثانی، بن رکن الدین، بن رفیع الدین، بن بہاء الدین، بن شہاب الدین، بن خواجہ یوسف، بن شیخ خلیل، بن صدرالدین، بن شیخ رکن الدین سمرقندی، بن صدر الدین الحاج، بن اِسماعیل الشہید، بن نورالدین القتال، بن شیخ محمود، بن بہاء الدین، بن عبداللہ، بن زکریا، بن شیخ نور، بن شیخ سراج، بن شیخ شادی صدیقی، بن وحیدالدین، بن مسعود، بن عبدالرزاق، بن قاسم، بن محمد، بن ابوبکر، بن ابوقحافہ۔ (نسب نامہ، مرتبہ مولانا مفتی محمود احمد صدیقی نانوتوی رکن مجلس شوری دارالعلوم دیوبند، حسبِ ہدایت حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیبؒ سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند، مطبوعہ الجمعیۃ پریس دہلی، ص ۵)

اس عظیم خاندان کی سب سے پہلی شخصیت جو ''خراسان'' سے ہندوستان وارد ہوئی، وہ قاضی میران بڑے بن قاضی مظہرالدین کی شخصیت ہے، جن کا سلطان بہلول لودھی (۸۵۵-۸۹۴ھ = ۱۴۵۱-۱۴۸۹ء) کے زمانے میں ۸۷۸ھ/ ۱۴۷۳ء میں دہلی میں ورود مسعود ہوا۔ قاضی میران نانوتہ کے صدیقی شیخ زادگان کے مورث اعلی ہیں، جو نانوتہ میں مُتوطّن ہوے۔ ''میران'' خراسان کے علاقے میں اشراف واعیان میں استعمال ہونے والا نام تھا۔ چناں چہ امیر تیمور کے صاحب زادے

کا نام ''میران شاہ'' تھا جس نے ۸۰۶ھ/ ۱۴۰۳ء میں وفات پائی۔ قاضی میران، حافظِ قرآن اور جلیل القدر علما وصلحا میں سے تھے۔ اُن کے علمی ودینی کمالات کی خبر پاکر، سلطان بہلول لودھی نے ۸۶۴ھ/ ۱۴۶۰ء میں اُنھیں جاگیر عطا کرکے تحریر کردہ فرمان شاہی کے ساتھ نانوتہ کی قضا وخطابت پر مامور فرمایا اور نانوتہ میں بس جانے کا حکم صادر کیا۔ سلطان بہلول کے بعد، سلطان سکندر لودھی (۸۹۴ - ۹۲۳ھ = ۱۴۸۸ - ۱۵۱۷ء) نے انھیں نانوتہ سے بلوا کر فرامینِ مذکورہ کی تجدید کردی۔ قاضی صاحب کی تاریخِ ولادت ۸۰۵ھ/ ۱۴۰۲ء اور تاریخ وفات ۱۴؍رجب ۹۰۲ھ مطابق ۱۱؍فروری ۱۴۹۷ء ہے۔ سنۂ ہجری کے حساب سے ۹۷ سال اور سنۂ عیسوی کے اعتبار سے ۹۵ سال عمر پائی۔

جب کہ مولانا محمد سالم قاسمیؒ کا دینی وعلمی سلسلہ بانیِ دارالعلوم دیوبند حضرت الامام مولانا محمد قاسم نانوتوی (۱۲۴۸ھ/ ۱۸۳۲ء = ۱۲۹۷ھ/ ۱۸۸۰ء) سے جاملتا ہے، جو دورِ آخر میں ہند میں سرمایۂ ملت کے واقعی نگہبان ثابت ہوے کہ اپنے وقت میں اسلام کے خلاف اٹھنے والے فتنوں کی نہ صرف اپنے علمِ بے پناہ اور تدبیرِ حکیمانہ سے سرکوبی کی؛ بل کہ دینِ اسلام کو اپنی اصلیت پر برقرار رکھنے کے لیے، وقت کے مسلّح اور استعماری حکومت کی طرف سے ہمہ گیر طور پر مدد یافتہ ومنصوبہ بند ثقافتی وتہذیبی ہمہ جہت تازہ دم حملوں کے سامنے دارالعلوم دیوبند کی شکل میں سدِّ سکندری اور ناقابلِ تسخیر قلعہ قائم کیا، جو ہنوز دین وشریعت کے خلاف اٹھنے والے ہر طوفان اور سیلِ بے پناہ کے سامنے اپنے شکوہ وجلال کے ساتھ اس طرح کھڑا ہے، جس کی نظیر مسلمانوں کی زائد از ڈیڑھ سو سالہ تاریخ میں نہیں ملتی۔ تصور کیجیے کہ اگر دارالعلوم دیوبند کی شکل میں دیوہیکل دینی وتعلیمی وتربیتی پناہ گاہ تعمیر نہ ہوئی ہوتی تو اسلام کو اِس دیار سے حرفِ غلط کی طرح مٹا دینے کے لیے کی جانے والی مسلسل، زبردست اور ہمت شکن وحیران کن وخوف ناک کوششوں کا مقابلہ کرنے کی کیا تدبیر ہوسکتی تھی؟۔ دارالعلوم دیوبند نے اس دیار میں اسلام اور مسلمانوں کی مکمل دینی شناخت کے ساتھ بقا کی راہ دکھائی، اُس کے بحرِ زخار سے ہزاروں نہریں مدرسوں اور تنظیموں کی شکل میں نکلیں اور نکلتی جارہی ہیں جو اِس وسیع تر علاقے کے کونے کونے کو سیراب کررہی اور شجرِ اِسلام کو سرسبز وشاداب رکھنے میں اپنا کردار ادا کررہی ہیں۔

یہ عظیم اور ناقابلِ فراموش کارنامہ حضرت مولانا محمد سالم قاسمی کے پردادا حضرت الامام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا ہے۔ مولانا محمد سالم قاسمیؒ اس عظیم خانوادے کے دینی ماحول میں پیدا ہوے اور پرورش پائی، جس میں ہر طرف دین داری، زہد وتقوی اور دینی تعلیم وتربیت کا چرچا تھا، یہی اس

خاندان کا اوڑھنا بچھونا تھا، مولانا محمد سالم کے دادا حافظ مولانا محمد احمد بن محمد قاسم نانوتویؒ نے علمی عظمت اور دینی قدرومنزلت اپنے عظیم والد حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ سے ورثے میں پائی تھی؛ اس لیے یہ دونوں عظمتیں اُن کے لیے اکتسابی سے زیادہ موروثی تھیں وہ عالمِ صالح کے سوا کچھ اور کیا ہوتے۔ اُنھیں -مولانا حافظ محمد احمدؒ- کو دارالعلوم دیوبند کے سفینے کے ناخدا ہونے کی عظیم وہمہ جہت صلاحیتوں کی متقاضی ذمّے داری اِسی علمی وراثت کے حق دار وارث ہونے کی وجہ سے ملی، جس کو اُنھوں نے ہنرمندانہ طور پر سنبھالا اور دارالعلوم کی ظاہری وباطنی ترقی میں مسلسل ۴۰ سال تک لائقِ تسجیل کردار ادا کیا۔

مولانا محمد سالم قاسمیؒ کے والد ماجد حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ، دارالعلوم کے سابق مہتمم اور حضرت الامام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے پوتے اور حافظ مولانا محمد احمد کے صاحب زادۂ اکبر تھے۔ حضرت حکیم الاسلامؒ نے ۱۳۴۱ھ سے ۱۳۴۸ھ تک اپنے والد ماجد کے دورِ اہتمام میں اور اُن کی حیات میں نیابتِ اہتمام کو چار چاند لگائے اور ۱۳۴۸ھ سے ۱۴۰۲ھ تک کم وبیش ۵۴ سال دارالعلوم کے مستقل مہتمم رہے اور اپنی باوقار علمی ودینی شخصیت سے دارالعلوم کی نہ صرف عالم گیر شہرت کا ذریعہ بنے؛ بل کہ دارالعلوم کو اُن کی شخصیت کی وجہ سے اتنی ترقی ہوئی جس سے زیادہ کا اس دور کے فریم میں تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ وہ اپنی ساحرانہ شخصیت، اپنے مردانہ جمال، عالمانہ کمال، حکیمانہ کلام، منفردانہ خطابت اور اسلام کی سچی اور مؤثر وساحرانہ ترجمانی اور دارالعلوم کے علم وعمل کی اجتماعیت کا عکس جمیل ہونے والی ذات سِتُودَہ صفات کی وجہ سے سفر وحضر، میں ہر جگہ دارالعلوم کے واقعی ترجمان، اُس کے لسانِ حال اور اُس کے مکمل وجود کا بھرپور انعکاس تھے۔ وہ کہیں نزول فرماتے تو محسوس ہوتا تھا کہ پورا دارالعلوم آ گیا ہے، حتی کہ حکیم الاسلام کا تصور دارالعلوم کے بغیر اور دارالعلوم کا تصور حکیم الاسلام کے بغیر نہیں ہو پاتا تھا، اگر کسی نے ''حضرت مہتمم صاحب'' کا لفظ ادا کیا تو برّصغیر کے گوشے گوشے میں ہر ایک کا ذہن مہتمم دارالعلوم دیوبند: حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ ہی کی طرف جاتا تھا۔ جب تک وہ حیات تھے ایسا لگتا تھا کہ اِس لفظ کو ادا کرکے اگر کسی نے کسی اور مدرسے کے مہتمم کو مراد لیا، تو اس نے اس لفظ کے ساتھ تو ناانصافی کی ہی، اس نے حکیم الاسلامؒ کا رتبہ گھٹانے، اُن کی حق تلفی کرنے اور لائقِ مؤخذہ گناہ کرنے کی جرأت بھی کی ہے۔ ایسا لگتا تھا کہ دارالعلوم کا اہتمام اُنھی کے لیے وجود میں آیا تھا اور وہ خود دارالعلوم کے اہتمام ہی کے لیے مخلوق ہوئے تھے، کسی اور مدرسے کے ذمے دارِ اعلی کو اگر کوئی ''مہتمم'' کہتا ہے، تو یہ مجازی

استعمال ہے اور حکیم الاسلام ہی کا فیضان ہے۔ غالبؔ (اسداللہ خاں غالبؔ ۱۲۱۲ھ/ ۱۷۹۷ء-۱۲۸۵/ ۱۸۶۹ء) نے ایک شعر میں کسی تجمل حسین خاں کے لیے کہا تھا:

دیا ہے اور کو بھی؛ تا اُسے نظر نہ لگے بنا ہے عیش تجمّل حسین خاں کے لیے

غالبؔ نے اپنے شعر میں اپنے موصوف کے لیے جو کچھ کہا ہے، خدا ہی کو معلوم ہے کہ اس میں کتنی صداقت تھی یا صرف شاعر کا شاعرانہ تخیل یا مبالغہ تھا؛ لیکن حکیم الاسلامؒ کے لیے بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ دارالعلوم کے کارہائے اہتمام اور اہتمام کے منصبِ عالی کے لیے وہ جس درجہ موزوں اور چست تھے، پتہ نہیں اب اس کے لیے اِتنی موزوں کوئی اور عظیم شخصیت مخلوق ہوگی یا نہیں؟ خدائے عظیم وجلیل ہر چیز پر قادر ہے؛ لیکن بظاہرِ احوال شاید ایسا کرنا اب اس کی مرضی نہیں ہے۔ اس راقم کو یہ کہنے میں ذرا بھی مبالغہ نہیں لگتا کہ دارالعلوم کے منصب اہتمام پر وہ جتنے موزوں؛ بل کہ زیبا لگتے تھے، راقم نے اپنی زندگی میں چند شخصیتوں کو ہی اپنے مُفَوَّضَہٗ عہدوں کے لیے اِتنا لائق اور موزوں پایا ہے۔ دنیا کا ہر کام بڑے سے بڑے لائق اور بے مثال انجام دہندہ کے بعد بھی، کسی نہ کسی طرح انجام پذیر ہوتا رہتا ہے؛ لیکن کسی بھی کام کو انجام دینے والی جب کوئی ایسی شخصیت دنیا سے اٹھ جاتی ہے، جیسی کہ حکیم الاسلام کی تھی تو ایسا لگتا ہے کہ وہ کام اپنے انجام پر گریہ وزاری کررہا ہے اور اپنے سابق انجام دہندہ کو بے تابی سے تلاش کررہا اور اُس کی یاد میں لہورو رہا ہے۔

مولانا محمد سالم قاسمیؒ کے لیے علمی ودینی سطح پر بڑا بننے کے لیے الحمدللہ میدان ہموار اور ماحول تیار تھا۔ جیسا کہ عرض کیا گیا وہ پردادا حجۃ الاسلام الامام محمد قاسم نانوتویؒ، دادا فخر الاسلام حضرت مولانا حافظ محمد احمدؒ اور والد محترم حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ تک کے علم وفضل کے ایک نورانی سلسلے کی ایک خوب صورت کڑی تھے۔ اُن کی والدہ محترمہ یعنی حکیم الاسلامؒ کی زوجہ ''حنیفہ خاتون'' (متوفاۃ ۱۰رمحرم ۱۳۹۴ھ مطابق ۱۵رفروری ۱۹۷۴ء) بھی انتہائی صالحہ عابدہ اور خوش اوقات خاتون تھیں، وہ صرف اس اعتبار سے عظیم نہ تھیں کہ وہ رام پور منیہاران ضلع سہارن پور کے ایک اعلی خاندان سے تعلق رکھتی تھیں، جس کا سلسلۂ نسب جلیل القدر صحابی یعنی میزبانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے؛ بل کہ وہ اس لیے بھی عظیم تھیں کہ برصغیر کی عظیم شخصیت حکیم الاسلامؒ کی زوجہ بنیں اور اس سے بڑھ کر یہ کہ وہ خود اپنے مولی سے مضبوط تعلق رکھتی تھیں اور یہی عظمت سب سے بڑی عظمت ہے، جس سے وہ بہرہ یاب تھیں۔ حضرت حکیم الاسلام رحمۃ اللہ نے اُن کے متعلق ''جذبات الم'' میں تحریر فرمایا ہے:

''خود اپنی ذات سے بھی نہایت صالحہ، پابندِ اوقات اور اپنے معمولات پر مستقیم تھیں۔ میں اُن کے معمولات، غبط کی نگاہوں سے دیکھا کرتا تھا اور بسا اوقات ذہن میں یہ تصور بندھ جاتا ہے کہ شاید یہی خاتون میرے لیے بھی نجات کا ذریعہ بن جائے۔ مرحومہ کو فرائض کی ادائیگی کا حد درجہ اہتمام تھا، گھر کے کیسے ہی اہم کام میں مصروف ہوں، اذان کی آواز سنتے ہی ہر کام سے بیگانہ وار اُٹھ کر، اول اوقات میں نماز ادا کیے بغیر مطمئن نہ ہوتی تھیں، ایک ہزار دانے کی تسبیح اُن کے سرھانے رہا کرتی تھی، نماز عشا کے بعد ایک ہزار بار کلمۂ طیبہ اور وقتِ خواب اَدعیۂ ماثورہ پڑھنے کا معمول تھا، جو سفر وحضر میں جاری رہتا تھا، نماز صبح کے بعد تلاوتِ قرآن کریم اور حضر میں بغیر کسی شدید اور غیر اختیاری مجبوری کے ناغہ نہیں ہوتا تھا۔ حج کا بھی ایک شغف دل میں تھا، میری معیّت میں سات بار حج وزیارتِ روضۂ اقدس سے مشرف ہوئیں''۔

''حج ونماز اور اوقات کی پابندی کے ساتھ، اُن میں ادائے زکاۃ کا شغف یہ تھا کہ پائی پائی کا حساب کر کے عموماً ماہِ رمضان میں زکاۃ ادا کیا کرتی تھیں، شہر کے عزیزوں میں سے غربا اور بالخصوص غریب بیواؤں کی فہرست اُن کے سامنے رہتی تھی۔ (جذبات الم، ص:۶-۷)

جس سعادت نصیب آدمی کو ایسی نیک اور تعلق مع اللہ کی حامل والدہ تربیت کے لیے نصیب ہوجائے، اس کے نصیبے کا دھنی ہونے میں کیا شبہہ ہوسکتا ہے، چناں چہ اُنھوں نے اُن ساری اخلاقی خرابیوں سے مُنَزَّہ زندگی گزاری جن سے نہ صرف عوام؛ بل کہ خواص کا دامن بھی بالعموم آلودہ ہوتا ہے۔ وہ کسی کی غیبت کرتے نہ کسی کی برائی سنتے، نہ کسی کا برا چاہتے، نہ برا کہتے، وہ حد درجہ خفا ہونے پر بھی اپنے خردوں اور خادموں کو زیادہ سے زیادہ ''احمق'' کہتے، اُن کی مجلسیں صرف علمی، دینی اور دعوتی باتوں کے لیے ہوتیں۔ اپنے ماتحتوں سے ہمیشہ ہمدردانہ معاملہ کرتے۔ ان کے آرام وراحت کا اپنے سے زیادہ خیال رکھتے، بڑھاپے کی بڑھتی ہوئی کم زوری اور اعذار کے بعد بھی اُن کا حال یہ رہا کہ بہ وقت سحر حوائج بشریہ سے فارغ ہوکر وضو کر کے مصلیٰ پر بیٹھ جانے کے بعد فجر کی نماز کے لیے اپنے خادم کو جگاتے؛ تاکہ اسے زیادہ زحمت نہ ہو اور جوانی کی بھرپور نیند میں ضرورت سے زیادہ خلل نہ ہو۔ اُن میں خاندانی اور موروثی شرافت ومروت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ اُن کے خاص خادم مولانا محمد شاہد قاسمی مدھوبنی نے اس راقم کو بتایا کہ مدھوبنی ضلع کے گاؤں ''دملہ'' کے مدرسہ ''محمود العلوم'' میں ۱۶؍جمادی الاولی ۱۴۲۹ھ مطابق ۲۲؍مئی ۲۰۰۸ء کو ایک بڑا جلسہ منعقد ہوا، جس میں بہار کے وزیر اعلیٰ نتیش کمار بھی مدعو تھے، جس نشست میں حضرت مولاناؒ کا خطاب تھا،

اسی میں نتیش صاحب نے شرکت کی، جب وہ پٹنہ واپس ہونے لگے تو اُنھوں نے حضرت سے اصرار کیا کہ آپ کو چوں کہ پٹنہ کے راستے سے واپس ہونا ہے؛ اس لیے آپ ہمارے ساتھ ہی ہیلی کوپٹر پر چلیں۔ مولاناؒ نے نتیش صاحب سے پوچھا کہ اُس میں کتنے آدمیوں کی جگہ ہے، اُنھوں نے کہا ۴ آدمیوں کی۔ مولاناؒ نے فرمایا پھر میں کس طرح آپ کے ساتھ جاسکوں گا، جب کہ آپ، ڈرائیور، باڈی گارڈ اور میں چار آدمی ہوجاتے ہیں، تو ہمارا خادم کہاں بیٹھے گا؛ کیوں کہ میں اس کو چھوڑ کر سفر نہیں کرسکتا؛ لہٰذا آپ اپنے ہیلی کوپٹر پر جائیں، ہم دونوں میزبان کی فراہم کردہ کار سے آتے ہیں۔ نتیش صاحب نے کہا ہمارا باڈی گارڈ کسی گاڑی سے آجائے گا آپ مع خادم ہمارے ساتھ چلیں۔

وہ اپنے خردوں اور خادم کے ساتھ بے تکلفانہ برتاؤ کرتے، جب تک خادم دسترخوان پر بیٹھ نہ جاتا، کھانا تناول فرمانا شروع نہ کرتے۔ وہ زندگی کے معاملات میں شفافیت پر عمل کرتے، **تَعَاشَرُوا كَالْإِخْوَانِ وتَعَامَلُوا كَالأَجَانِبِ** اُن کا شیوۂ زندگی تھا، وہ اپنے بچوں اور گھر والوں کے ساتھ بھی اسی رویے پر کاربند رہتے۔ شرعی معاملات میں **وأَشَدُّهُم فِي أَمْرِ اللهِ عُمَرَ** ہی اُن کا معمول تھا۔ شریعت کے دائرے میں چھوٹے سے چھوٹا اور معمولی آدمی بھی اُن سے کسی جھجک کے بغیر اپنی بات منوا سکتا تھا۔

یہ ساری صفات اُن کی غیر معمولی انسانیت اور مروت وشرافت کے ساتھ اُن کی صالحیت کی دلیل ہیں۔ اُن کی صالحیت اور سعادت مندی کی دلیل وہ خواب بھی ہے، جو اُن کے جلیل القدر والد حکیم الاسلام نوراللہ مرقدہ نے، اُن کے سلسلے میں فلسطین کی زیارت کے دوران ۱۳۸۳ھ/ ۱۹۶۳ء میں شہر بیت المقدس میں دیکھا تھا، جب اُن کی - مولانا محمد سالم کی - عمر ۳۷ سال کی تھی اور اُن کے فضل وکمال کے بال وپر مکمل طور پر نکلے نہ تھے، جس کو حکیم الاسلام نے لبنان کے شہر بیروت میں قیام کے دوران اپنی ڈائری میں تاریخی وثیقے کے طور پر اپنے دستِ مبارک سے قلم بند کرلیا تھا، جو درجِ ذیل ہے:

"نحمدہ ونصلی

آج یکم جمادی الاولی ۱۳۸۳ھ یوم جمعہ کی شب میں بہ مقام بیت المقدس احقر نے حسبِ ذیل خواب دیکھا، جو بلاشبہہ از قسمِ مُبَشِّرَات ہے اور جو یہ ہے کہ

"میں دیوبند میں ہوں اور معلوم ہوا ہے کہ جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہاں تشریف لائے ہوئے ہیں۔ ذہن میں یہ ہے کہ تشریف آوری دارالعلوم میں ہوئی ہے، لوگ اشتیاقِ زیارت میں ہیں اور میں اِرادہ میں ہوں کہ زیارت سے مشرف ہوں۔ اِس درمیان میں کچھ یوہی سا یاد ہے کہ دارالعلوم میں حضورؐ نے کسی اجتماع میں شرکت فرمائی؛ مگر یہ پورا یاد نہیں؛

بل کہ وہم سا ہے۔ اسی دوران میں، میں ایک اونچی جگہ پر ہوں اور سامنے ایک لانبی سڑک ہے نیچے کی طرف اُترتی ہوئی نامکمل، ایسی جیسا کہ شاہی قلعوں میں سلامی دار (ڈھلوان دار) راستے ہوتے ہیں، جو قلعے کے بالائی حصے کی طرف جاتے ہیں، جیسے آگرہ کے قلعے میں شاہی محلات کو جانے والا راستہ کافی چڑھتا ہوا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی کچھ یاد پڑتا ہے کہ یہ سڑک سرسبز ہے۔

''میں دیکھتا ہوں کہ حضورؐ اس سڑک سے گزر رہے ہیں یعنی مدرسے آرہے ہیں اور قیام گاہ پر تشریف لے جارہے ہیں (قیام گاہ وہ مکان ہے جس میں نائب مہتمم صاحب - مولانا مبارک علی - اور مولانا مدنی کا مکان ہے) لیکن اُس وقت تک میں اُس مکان کو اُن حضرات کا نہیں سمجھ رہا ہوں؛ بل کہ مدرسے کا کوئی استعمالی مکان جان رہا ہوں۔ حضورؐ مذکورہ راستے سے اُتر رہے ہیں ایک چادرہ میں ملبوس ہیں اور چادرہ پورے بدن پر اوڑھے ہوئے ہیں اور کچھ اِس طرح خمیدہ چل رہے ہیں جیسے نیچے کی طرف اُترنے والا کچھ جھک کر چلتا ہے۔ ساتھ ہی میں یہ بھی ذہن میں لیے ہوئے ہوں کہ یہ سڑک حضورؐ ہی کے لیے مخصوص طور پر بنائی گئی ہے جو اِحاطۂ مدرسہ کی اندرونی اور پرائیوٹ سڑک ہے، عام گزرگاہ نہیں ہے اور اِس لیے بنائی گئی ہے کہ حضورؐ کو مجمع کے ساتھ چلنے میں تکلیف نہ ہو؛ اس لیے آپؐ تنہا ہی تشریف لے جارہے ہیں اور میں دیکھ رہا ہوں اور خیال یہ ہے کہ آپ کی قیام گاہ پر حاضر ہوکر زیارت سے مُشَرَّف ہوں گا، چناں چہ اس کے بعد میں قیام گاہ پر حاضر ہوا؛ مگر معلوم ہوا کہ آرام فرمارہے ہیں؛ اِس لیے اِس خیال سے لوٹا کہ بعد میں جاؤں گا۔ میں مکان پر پہنچا تو میاں سالم پہنچ گئے اور میں نے کہا کہ بھائی! حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ہوئے ہیں حاضری کا اور ملنے کا اہتمام کرو، اِس پر سالم نے کہا کہ میں الحمدللہ مل چکا ہوں اور خدمتِ اقدس میں حاضری بھی دے چکا ہوں اور مجلسِ پاک میں بیٹھ بھی چکا ہوں اور دستِ مبارک پر بیعت کرکے آرہا ہوں۔ اِس پر میری خوشی کی انتہا نہ رہی اور میں نے دعا بھی دی اور مبارک باد بھی دی۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ أَوَّلًا وَآخِرًا۔

محمد طیب

نزیل الیوم فی ''بیروت'' (لبنان)

یکم جمادی الاولی ۱۳۸۳ھ

۲۰ ستمبر ۱۹۶۳ء یوم جمعہ

وہ واقعتاً مُرَوَّت کا پتلا تھے، اس کا کچھ اندازہ واقعۂ ذیل سے ہوگا۔ مصر کے ایک سفر میں جس میں راقم کو اُن کی ہم رکابی کی سعادت حاصل رہی۔ جانے کے سفر میں ''دبئ'' میں قاہرہ کے لیے اور آنے میں ''دبئ'' ہی میں انڈیا کے لیے فلائٹ تبدیل کرنی تھی۔ جانے کے سفر میں تو ''دبئ'' میں قدرے کم رکنا ہوا؛ لیکن ہندوستان واپسی کے وقت ہمارے پاس مکمل ایک دن اور آدھی رات کا وقت تھا، دبئ میں ایک ''مظفر کولا بھٹکلی'' ہوا کرتے تھے جو پیسے کے کاروبار سے جڑے ہونے کی وجہ سے خاصے سرمایہ دار تھے، ان کو کسی طرح قاہرہ سے مولاناؒ کی واپسی اور دبئ میں پڑاؤ کی خبر ہوگئی۔ وہ اپنی گاڑی ہوائی اڈے پر لے کر آ گئے، گورنمنٹ کے اہل کاروں بالخصوص ہوائی اڈے کے عملے سے اُن کی خاصی جان پہچان تھی، اُنھوں نے اُن لوگوں سے مل کر چند ہی منٹوں میں ہمارے ''دبئ'' شہر میں جانے کی اجازت حاصل کرلی اور اپنی کوٹھی پر لے گئے، وہاں ہم نے اچھی طرح آرام وعافیت کے ساتھ ٹھہراؤ کے وقفے کو گزارا، ورنہ ہوائی اڈے کے اصول کے مطابق ہم قریب کے کسی ہوٹل میں قیام کرتے اور بہت بے کیفی کے ساتھ ڈیڑھ دن کو ایک ہفتہ سمجھ کر ''ہجر'' والی کیفیتوں کے ساتھ اذیت گزیدہ گزارتے۔

مولاناؒ کا جو مقام ومرتبہ مسلمانوں کی نگاہ میں تھا، راقم کو اِس کی وجہ سے اِس کا اندازہ تھا کہ یہاں کے قیام میں لوگ بڑی تعداد میں ملنے آئیں گے اور اُن میں سے خاصے لوگ ہدیے بھی پیش کریں گے؛ اس لیے ہم نے راستے میں کار کی سیٹ پر بیٹھتے ہی حضرت سے عرض کردیا تھا کہ حضرت! یہاں لوگ ہدایا پیش کریں گے تو آپ منع فرمادیجیے گا اور یہ کہہ دیجیے گا کہ آپ لوگ کوریر وغیرہ کے ذریعے اِنھیں ازخود بھیجوادیں، کیوں کہ لگیج میں گنجایش نہیں اور ہاتھ کا ایک بریف کیس پہلے سے ہے اور رفیق سفر (یعنی راقم) کا اپنا بھی ہاتھ کا سامان ہے، وہ کس طرح کوئی اور سامان ہاتھ میں لے کر جائے گا، کیوں کہ میں تو کچھ بھی اٹھانے کے لائق نہیں ہوں؛ لیکن جب لوگ ہدیے کی برسات کرنے لگے تو حضرت مولاناؒ نے کسی کو منع نہیں کیا؛ لیکن اُنھیں اندازہ تھا کہ اتنی مقدار سامان کی نہ فلائٹ کے اندر لیجانی ماذون بہ ہوگی اور نہ اس کو راقم جیسا یا خود ان جیسا کوئی آدمی ہاتھ میں اٹھا کر چل سکے گا، تو ہوائی اڈے پر انھوں نے سب سامانوں کو لگیج میں ڈال دیا اور اچھی خاصی رقم وزن کے بدلے میں ادا کی۔ راقم نے عرض کیا حضرت! آپ نے ناچیز کی گزارش کو خیال میں نہیں رکھا اور اب یہ اتنی بڑی رقم جو خرچ ہوگئی تو گویا آپ سارے سامان خرید کر لے جارہے ہیں، اس کا کیا فائدہ ہوا؟ فرمایا: لوگ محبت سے دے رہے تھے، اگر ہم اُنھیں منع کرتے تو اُن کے دلوں کے آب گینوں کو ٹھیس لگتی، محبت

وعقیدت بے بہا ہوتی ہے؛ اس لیے جو کچھ خرچ ہوا اب اس کو کیا سوچنا ہے۔

اسی کے ساتھ وہ عالمانہ وقار اور صالحانہ اطوار کا نمونہ تھے۔ وہ وعظ وخطابت میں اپنے عظیم والد حکیم الاسلامؒ کا عکس تھے، اُن کی مجلسی گفتگو اور جلسوں کی تقریریں حکیمانہ اور علمی اشارات واستنباطات سے پر ہوتی تھیں۔ وہ پرمغز، معنی خیز، اور دقیق زبان میں بولتے اور تقریر کرتے تھے، نیز وہ تیز بولتے جیسے وہ متعلقہ موضوع کے مواد ومشمولات وتعبیرات ولفظیات کو رٹے ہوے ہوں۔ جوانی اور اُدھیڑ عمری میں تو ان کی تقریریں خواص کے لیے بالخصوص اور عوام کے لیے بالعموم بڑے فائدہ کا ذریعہ رہیں؛ لیکن اواخرِ عمر میں جب بڑھاپے کا اثر زبان وطرز کلام پر بھی پڑ گیا تھا، اچھے اچھے علما کے لیے بھی اُن کی باتوں سے فائدہ اٹھانا آسان نہیں رہ گیا تھا؟ ہاں جو لوگ اُن کے لب ولہجے، طرز ادا اور تقریر وتحریر اور عام مجلسی گفتگو کی اُن کی لفظیات سے واقف تھے، وہ اُن کی زندگی کے آخری سالوں کی تقریروں اور عام علمی باتوں کو بھی خوب سمجھ لیتے اور خوب خوب فائدہ اٹھاتے تھے۔ علمی نکات اور حکیمانہ اشارات کی کثرت کی وجہ سے بھی اُن کی باتیں عوام کے لیے دشوار ہوتی تھیں؛ نکات خیزی اور لطائف ریزی اُنھیں اپنے عظیم خاندان سے ورثے میں ملی تھی، بالخصوص اپنے پردادا حجۃ الاسلام الامام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور اپنے والد ماجد حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ سے۔ مولانا محمد سالمؒ ہر موضوع کی گفتگو کو اصولی قالب میں پیش کرتے، نیز کسی تقریر اور وعظ میں اپنے موضوع کے دائرے سے باہر نہ جاتے اور اپنے موضوع کی حق تلفی اور ناانصافی کا تو اُن سے تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔

وہ درس دیتے، یا تقریر کرتے، یا کسی تقریب کی سرپرستی یا صدارت کرتے ہوے محوِ کلام ہوتے، تو مُخاطَب کا دل اِس اعتماد ویقین سے پر ہوتا کہ وہ ایک پختہ علم، قادرالکلام، بلیغ اللسان، رموزِ شریعت کے شناسا، احکام دینی کے رازداں عالم کے سامنے بیٹھا ہوا اُن کے افکار کے موتیوں سے اپنے دامن کو بھر رہا ہے، وہ جو کچھ سن رہا ہے وہ پتھر کی لکیر ہے؛ کیوں کہ علم وحکمت اِس عالم کو وراثتًا ابًا عن جدّ ملا ہوا نہ ختم ہونے والا وہ خزانہ ہے جو ہر ''اُچکے'' اور ''چور'' کی دست رس سے باہر ہے؛ اسی لیے وہ اس کو تہی دامنی کے خدشے کے بغیر دائیں بائیں لٹاتا جارہا ہے۔

مولانا محمد سالم قاسمیؒ تقریر وتحریر میں بڑی حد تک اپنے والد محترم کی مثال تھے۔ اپنے باپ، دادا اور پردادا کی چھوڑی ہوئی علمی امانت وصالحیت اور مروت وشرافت کے امین ہونے کے منصب پر پورا اُترنے کی سچی کوشش کرنے والے اپنے خاندانِ عالی شان کے آخری حوصلہ مند انسان تھے۔

اُن کے وجود سے دیوبندیت کے پرشکوہ قلعے کی پہرہ داری کا بھرم جس طرح تسلسل کے ساتھ قائم رہا، خدا کرے کہ آیندہ بھی اسی معیار پر قائم رہے۔ دیوبندیت خدا کے دین کی اَصالت کا عنوانِ جلی ہے۔ اُس کے علَم برداروں نے زائداز دوصدی سے اس دیار میں دین وایمان کو اپنی اصلی حالت میں اور مسلمانوں کو صحیح اسلام پر ثابت قدم رکھنے میں بے نظیر کردار ادا کیا ہے۔ اِن شاء اللہ خدائے قدیر اُس کے پاسبان ایک کے بعد دوسرا پیدا کرتا رہے گا۔

حکیم الاسلامؒ کی وفات سے جو خلا پیدا ہوا تھا، وہ حقیقت یہ ہے کہ ابھی تک پر نہیں ہوا؛ کیوں کہ اُن کے ایسی بھاری بھرکم اور ہمہ جہت شخصیت آسانی سے ہاتھ نہیں آتی؛ کہ وہ گردشِ لیل ونہار کے ایک خاص سعادت مندانہ دورانیے کی دین ہوتی ہے؛ لیکن مولانا محمد سالم قاسمیؒ اپنی خطیبانہ صلاحیت، عالمانہ لیاقت، قائدانہ بصیرت اور مُدَبِّرانہ سوجھ بوجھ کی وجہ سے بہت حدتک اُن کی جانشینی کا حق ادا کررہے تھے۔ اُدھیڑعمری کے بعد وہ رنگ روپ، سج دھج، نشست برخواست میں بھی اُن کی ٹروکاپی (True Copy) لگنے لگے تھے، زندگی کے آخری مرحلوں میں تو وہ ہو بہ ہو حکیم الاسلامؒ محسوس ہوتے تھے ایسا لگتا تھا کہ حکیم الاسلامؒ کو حیاتِ نو مل گئی ہے اور وہ دوبارہ زندہ ہوکر ہمارے سامنے آگئے ہیں۔

مولانا مرحوم اپنی کلاہِ پرشکوہ کے ذریعے، جو تاجِ آراستہ کی طرح اُن کے سر پر اِستادہ رہتی تھی، اپنے سرخ وسفید مکھڑے کے ذریعے، جس پر اپنی اور آبا کی نیکی کا نور، تجلی ریز رہتا تھا؛ اپنی کشادہ پیشانی کے ذریعے، جس پر سجدوں کا نشان خالِ عروسی کی طرح سجتا تھا؛ اپنی ہلالی شکل کی خم دار گھنیری ابروؤں کی وجہ سے، جن سے اُن کی فراخ آنکھوں کا حسن دوبالا ہوجاتا تھا؛ اپنی ستواں ناک کی وجہ سے، جو اُن کی اور اُن کے آبا کی عظمت کی پہرے دار لگتی تھی؛ اپنے کتابی چہرے کی وجہ سے جو کھلی کتاب کی طرح دیرینہ مجدوشرف اور مفکرانہ تجربوں کا شاہدِ ناطق تھا؛ اپنی گھنیری داڑھی کی وجہ سے، جس کے بالوں سے بڑھاپے میں سفید ہوجانے کے بعد فرشتوں کی سی معصومیت اور تقدس برستا تھا؛ اپنی خوب صورت چھڑی کی وجہ سے جو دین وشریعت میں کَتَرْ بُیُوْنت کرنے والوں کے لیے گویا عصاے موسیٰؑ بن جانے کے لیے اُن کے ہاتھ میں مچلتی رہتی تھی؛ اپنے سفید لباس کی وجہ سے، جو اُن کے جسم پر اس طرح جچتا تھا جیسے موزوں قدوقامت کے صرف اُنھی کی طرح کے کسی اِنسان پر؛ وہ حکیم الاسلامؒ کا شبیہِ مجسَّم تھے۔

مولانا سالم قاسمی رحمۃ اللہ علیہ کو خدا نے طویل العمری سے نوازا، جس کے سارے اوقات کو

دین وعلم ودعوت وملت کی خدمت میں صرف کیا اور نیک نامی حاصل کی، نیکی سے بھری پُری زندگی خدائے کریم کی بہت بڑی نعمت ہے جس سے وہ اپنے اُن خاص خاص بندوں ہی کو نوازتا ہے، جن کو اپنے فضل وکرم کے بے پایاں حصوں سے نوازنا چاہتا ہے۔

ایک خاص بات یہ ہے کہ وہ اپنی عمر دراز کے طویل دورانیے میں بالعموم صحت مند رہے اور راقم کی معلومات کے مطابق نزلے زکام جیسی ہلکی پھلکی کثیر الوجود وبالعموم ہوجانے والی بیماریوں کے علاوہ کوئی بڑی یا بُری بیماری اُنھیں نہیں لاحق ہوئی، جو اُن کے قیمتی اوقات کو تادیر ضائع کرتی اور علمی ودینی مشاغل سے اُنھیں بہت دنوں کے لیے مشغول رکھتی۔ وہ شکر ہر چیز میں بالخصوص چائے میں ''اعتدال'' سے زائد استعمال کرتے جتنی عام طور پر لوگ نہیں استعمال کرتے؛ لیکن الحمدللہ وہ آخر آخر تک شکر کے اِیذا رساں وکثیر العوارض مرض سے بالکل محفوظ رہے۔ کھانے پینے میں وہ کسی احتیاط پر کبھی عمل پیرا نہ ہوے، جب کہ بڑھاپے میں تو صرف احتیاط پر عمل کرنا طبی اور طبعی دونوں طور پر ضروری ہوتا ہے۔ ہرسن رسیدہ آدمی کھانے کے سلسلے میں ''یہ لینا ہے اور یہ نہیں لینا ہے'' کی ناقابل علاج بیماری کا شکار ہوجاتا ہے؛ لیکن الحمدللہ مولاناؒ اس بیماری سے بھی بالکلیہ محفوظ رہے۔

درالعلوم کے ایک لائق فاضل مولانا اسعد قاسم سنبھلی قاسمی نے مرادآباد میں اپنی جامعہ کی عمارت کے سنگِ بنیاد کے موقع سے جمعہ: ۲۷؍ذی قعدہ ۱۴۳۱ھ مطابق ۴؍نومبر ۲۰۱۰ء کو حضرت مولاناؒ کے ساتھ اِس راقم کو بھی مدعو کیا تھا۔ ۱۱ بجے کے قریب ناشتہ ہوا جس میں بہت سی مٹھائیاں، پوریاں، کچوریاں، چھولے، بریڈ، مکھن، پاپے اور انواع واقسام کی وہ چیزیں تھیں جن کو ازقبیل ناشتہ لوگ لیا کرتے ہیں۔ اتفاق سے دسترخوان پر میزبان نے مولاناؒ کے بالکل سامنے اس راقم کو بیٹھنے کی سعادت دی، جو جوانی سے ہی شکر کے مرض اور اس کے بڑھتے رہنے والے عوارض کا شکار ہے؛ لہٰذا وہ بھی اُسی مرحلۂ عمر سے احتیاط کی مجبوری سے دوچار ہے؛ اِس لیے اُس نے چند چیزیں احتیاط کے تقاضے کے بہ موجب اپنی پلیٹ میں لیں اور وہی سب کچھ مولاناؒ کی طرف بڑھانا چاہا تو اُنھوں نے فرمایا: مولانا! آپ بس اپنی پلیٹ تک محدود رہیں اور اپنے خادم سے فرمایا: بھائی! ہمارے لائق چیزیں ڈالو۔ اس نے دسترخوان کے مشمولات کی اکثر وہ چیزیں تھوڑی تھوڑی اُن کی پلیٹ میں ڈالیں جن سے بیماری سے بچے رہنے کی حالت میں بھی بڑھاپے کی وجہ سے آدمی ضرور بچتا ہے۔ چناں چہ خادم نے بڑیڈ کی پیسوں پر وافر مقدار میں مکھن کی پرتیں جمائیں اور اُن کے ہاتھ میں تھمادیا۔ راقم نے عرض کیا حضرت! یہ تو اس عمر میں بہت نقصان دہ ہے، حضرت نے فرمایا: الحمدللہ ہمارے لیے کچھ

بھی نقصان دہ نہیں ہے، انڈے بھی حضرت نے ابلے ہوے اور نیم فرائی لیے، البتہ یہ کہ گرم ہونے کی شرط سے مشروط فرمادیا، جس کا نظام دسترخوان کے بغل والے کمرے میں قائم تھا، چائے میں تقریباً تین چمچی شکر ڈالی؛ لیکن ایک گھونٹ نوش فرمانے کے بعد ہی فرمایا کہ بھئی! آدھی چمچی اور ڈال دو۔ نماز جمعہ کے بعد افتتاحی تقریر ہوئی، پھر سنگ بنیاد کی کارروائی عمل میں آئی، پھر ناشتے والی جگہ پر ہی کھانے کا دسترخوان سجا اور وہی کھانے طرح طرح کے چنے گئے جو بالعموم مہتم بالشان لوگوں کی قابلِ ذکر تقریب میں چنے جاتے ہیں: بریانی، قورمے، کئی طرح کے گوشت، دہی بڑے، تہاری، نہاری، تلی ہوئی مچھلیاں اور نان اور آخر میں لی جانے والی متنوع مٹھائیاں۔ مولاناؒ نے ہر ایک یا اکثر کھانوں میں سے کچھ نہ کچھ لیا؛ لیکن راقم کے تعجب کی حد نہ رہی جب اُنھوں نے خادم سے فرمایا: قورمے کی ایک آدھ بوٹیاں میری پلیٹ میں ڈال دو، ایک صاحب جن کے ہاتھ میں ڈونگا تھا اس احتیاط سے دو بوٹیاں نکال اُن کی پلیٹ میں ڈالنی چاہیں کہ وہ شوربہ اور تری سے آلودہ نہ رہیں، حضرت نے خادم سے کہا: تم خود یہ کام کیوں نہیں کرتے۔ چناں چہ اس نے شوربے اور تری سے لبریز بوٹیاں اُنھیں دیں اور اُنھوں نے مزے سے تناول فرمایا۔ راقم رشک کرتا رہا کہ اللہ ہر ایک کو بڑھاپے میں اسی طرح کی صحت دے۔

اواسطِ ربیع الاول ۱۴۲۰ھ مطابق اَواخر جون ۱۹۹۹ء میں جمہوریۂ مصر کی وزارتِ اوقاف کی طرف سے منعقدہ کانفرنس میں شرکت کے لیے حضرت مولاناؒ کی طرح یہ راقم بھی مدعو تھا۔ حسنِ اتفاق کہ نہ صرف آمدورفت کے سفر میں؛ بل کہ رفاقت گاہ کے حوالے سے بھی (کہ الخیام ہوٹل میں جو ساحلِ نیل پر واقع اور قاہرہ کا سب سے بڑا ہوٹل ہے ہم دونوں کے اقامتی کمرے ایک دوسرے سے ملے ہوے تھے) اور کانفرنس کی نشستوں میں شرکت نیز ہوٹل کے ڈائننگ ہال میں ناشتے اور کھانے کے لیے ایک ساتھ جانے آنے اور کھانے کی میز پر بھی صحبت کی سعادت رہی۔ اُس وقت یعنی آج سے کم وبیش ۱۹ برس پہلے مولاناؒ کی صحت زندگی کے آخری دنوں سے یقیناً بہتر تھی؛ اس لیے اُس وقت تو اور بھی پرہیز کا کوئی مسئلہ نہ تھا۔ ناشتے میں بہ طور خاص ایک سے زائد ابلے ہوے نیز نیم فرائی انڈے تو لیتے ہی بریڈ مکھن کا بھی استعمال کرتے، کورن فلیکس، گرم دودھ میں ڈال کر تو ضرور ہی تناول فرماتے، اس سے زیادہ یہ کہ پیپسی، کوکا کولا، پھلوں کے رس ہر چیز تھوڑی تھوڑی مقدار میں لیتے۔ اُن کا طریقہ یہ ہوتا کہ وہ ذرا ذرا لیتے؛ لیکن ساری چیزیں لیتے۔ یہ راقم چوں کہ اُس وقت بھی شکر کا مریض تھا؛ اِس لیے اُس کو احتیاط کی زنجیروں میں جکڑا رہنا پڑتا تھا۔ مولانا اکثر فرماتے:

مولانا نور عالم! تم کس طرح پرندوں کی طرح کھانا لیتے ہو؟ راقم عرض کرتا: حضرت! اللہ تعالی نے آپ کو ذاتی علم وفضل اور نیکوں کی اولاد ہونے کی وجہ سے صحت وعافیت سے نوازا ہے؛ جس سے خاک سار محروم ہے؛ اِس لیے آپ کے لیے وہی بہتر ہے جو آپ کرتے ہیں اور خاک سار کے لیے وہی مناسب؛ بل کہ ناگزیر ہے، جو وہ کرتا ہے۔

بہ ہرکیف یہاں تو حضرت کی صحت وعافیت کی بات ہورہی تھی، جس میں اس خوش گوار اور یادگار سفر کے ایک حصے کا تذکرہ بھی آ گیا، یہاں سفر کے ایک اور جزو کا تذکرہ بھی بے محل نہ ہوگا کہ ''فندق الخیام'' (خیام ہوٹل) جس میں ہمارا قیام تھا کے استقبالیے پر رخصت کے وقت، اپنے بریٔ الذمہ ہونے کا، کاغذ لینے کے بعد ہی، ہوٹل سے رخصت ہونے کا نظام تھا۔ اس راقم کو تو آسانی سے وہ کاغذ مل گیا، مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے استقبالیہ کے ملازم نے چارسو ڈالر کا مطالبہ کیا۔ راقم نے آگے بڑھ کے اس سے عربی میں غصہ ورانہ لہجے میں کہا: ہم لوگ یہاں مہمان تھے، آپ کی وزارت کی دعوت پر آئے تھے، آپ ہم لوگوں سے کس چیز کا اتنا بڑا ''جرمانہ'' وصول کررہے ہیں؟ اس نے مولاناؒ کی طرف اشارہ کرتے ہوے کہا کہ اِنھوں نے مہمانوں کے لیے متعین کردہ ماکولات سے زیادہ چیزیں لیں ہیں نیز کپڑے بھی بہت دھلوائے ہیں؛ اِس لیے یہ رقم ان پر واجب الادا ہے، راقم نے اُس کو سمجھایا کہ یہ آپ لوگوں کی غلطی ہے کہ آپ لوگوں نے ہمیں اِس سلسلے کا کوئی ہدایت نامہ کانفرنس کے پورے وقفے میں نہیں دیا، آپ کو چاہیے تھا کہ ہر مہمان کے کمرے میں یہ ہدایت نامہ ڈلوادیتے کہ ہمیں ہوٹل یا کانفرنس کے ذمے داروں کی طرف سے کیا کیا چیزیں ''مباح'' اور کیا کیا چیزیں ''حرام'' ہیں، ہم صرف ''مباح'' لینے پر اکتفا کرتے اور ''حرام'' کے قریب بھی نہ جاتے۔ خیر اُس نے ہماری بات کو درخورِ اعتنا سمجھا اور ہمیں بخشتے ہوے اُس نے ''بے باقی'' کا، کاغذ مولاناؒ کو جاری کردیا۔ مولاناؒ کو اس کا بڑا افسوس رہا کہ عربی لوگ اِتنے بداخلاق ہوگئے ہیں کہ مہمانوں کی تکریم کی صفت سے بالکلیہ عاری ہوگئے ہیں۔ وہ اس واقعے کا واپسی کے سفر کے دوران بار بار تذکرہ کرتے رہے۔ راقم نے عرض کیا حضرت! یہ تو مصری ہیں جو ہم ہندوستانیوں کے بالکل ہم مزاج ہیں؛ لیکن عام عربی کی دینی حالت ہم لوگوں سے بھی گئی گزری ہوگئی ہے اور وہ ہوٹل کا اہل کار تو نہ معلوم کہ عیسائی تھا یا مسلم؛ کیوں کہ اکثر اس طرح کی جگہوں پر مصر میں عیسائی ہی متعین ہوتے ہیں۔

(باقی آئندہ)

☆ ☆ ☆

مسائل وفتاویٰ

سوال: حضرت مفتی صاحب! ہر پروڈکٹس (مصنوعات) پر حلال کا لیبل ہونا ضروری ہے؟ اگر حلال نہ لکھا ہو تو کیا وہ چیز کھا سکتے ہیں؟ امریکہ، برطانیہ، سنگاپور اور ایسے ہی بہت سے ممالک کے چاکلیٹس جو مارکیٹ میں ملتے ہیں، کیا وہ کھا سکتے ہیں؟ جہاں حلال نہیں ہے۔

ہر پروڈکٹس کے جزوترکیبی دیکھ کر حلال نہ ہو تب بھی جزوترکیبی ہی دیکھ کے کھا سکتے ہیں؟

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

حامدًا ومصلیا ومسلّما، الجواب وباللّٰہ التوفیق والعصمۃ:

عام کھانے پینے کی چیزوں کو استعمال کر سکتے ہیں، اگر چہ ان پر ''حلال'' کا لیبل نہ ہو؛ البتہ اگر کسی چیز سے متعلق قابل اعتماد ذریعے سے مشتبہ ہونا معلوم ہو تو پھر احتیاط کرنا چاہئے، اسی طرح گوشت سے تیار شدہ مصنوعات سے بھی احتیاط ضروری ہے الا یہ کہ مسلمانوں کی طرف سے وہ تیار کردہ ہوں، یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ کسی چیز پر ''حلال'' کا لیبل اس بات کی یقینی دلیل نہیں ہے کہ اس میں کوئی ناپاک یا حرام چیز کی آمیزش نہیں کی گئی ہے؛ اس لیے آج کل بہت چوکنا رہنے کی ضرورت ہے خصوصاً گوشت پر مشتمل چیزوں کے سلسلے میں۔

(۲) کھا سکتے ہیں؛ البتہ اگر احتیاط کریں تو بہتر ہے۔

(۳) محض اجزائے ترکیبی کی فہرست دیکھ کر کسی چیز کے بارے میں یقینی طور پر ''حلال'' ہونے کا فیصلہ کرنا صحیح نہیں ہے؛ کیونکہ قلیل مقدار میں ہونے کی وجہ سے بعض اجزائے ترکیبی کا آئٹم ظاہر نہیں کیا جاتا نیز بعض چیزوں کے لیے ''کوڈ'' کا استعمال ہوتا ہے جس کی حقیقت تک پہنچنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔ **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم بالصواب**

الجواب صحیح: محمد اسد اللہ غفرلہ

زین الاسلام قاسمی الہ آبادی، محمد نعمان سیتاپوری غفرلہ — دارالافتاء دارالعلوم دیوبند

مفتیانِ دارالافتاء، دارالعلوم دیوبند — ۱۴۳۸/۱۲/۲۶ھ=۲۰۱۷/۹/۱۸ء دوشنبہ

==========

"سور المؤمن شفاء" کی تحقیق

مندرجہ ذیل حدیث کا ترجمہ اور مطلب کیا ہے؟ اس کو تفصیل سے سمجھائیں، اور کیا یہ حدیث صحیح ہے؟ حدیث "سؤر المؤمن شفاء" جاء فی کنز العمال (۱/۴۳۲) حدیث: (۵۷۴۸) "من التواضع أن يشرب الرجل من سؤر أخيه، ومن شرب من سؤر أخيه رفعت له سبعون درجة، ومحيت عنه سبعون خطيئة وكتبت له سبعون حسنة".

۲- بعض بزرگوں سے سنا ہے کہ مؤمن کا بچا ہوا کھانا یا پانی وغیرہ اس میں شفاء ہے کیا ایسا کہنا اور اس پر عمل کرنا شرعاً صحیح ہے یا غلط اور اسکی حقیقت کیا ہے؟

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

حامدًا ومصليا ومسلّما، الجواب وباللّٰه التوفيق والعصمة:

(۲،۱) یہ دونوں حدیثیں ان الفاظ کے ساتھ ثابت نہیں ہیں، متعدد محدثین نے انھیں موضوعات میں شمار کیا ہے، چناں چہ کنز العمال میں ثانی الذکر حدیث ذکر کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں: **وفيه نوح بن أبي مريم وأورده ابن الجوزي في الموضوعات، أورد القاری الهروی فی کتابه الموضوعات الصغری رقم: ۱۵۰، حديث سور المؤمن شفاء قال العراقي: هكذا اشتهر على الألسنة ولا أصل له بهذا اللفظ وذكر كذلك برقم: ۱۴۴، ريق المؤمن شفاء، ليس له أصل مرفوع إلخ** (کنز العمال: ۱۱۵/۳، رقم: ۵۷۴۸، ط: مؤسسة الرسالة)؛ البتہ کشف الخفاء وغیرہ میں ہے کہ حدیث کے الفاظ اگرچہ ثابت نہیں ہیں؛ لیکن معنی صحیح ہے اور بخاری شریف کی ایک حدیث سے اس پر استدلال کیا؛ لہٰذا اس حدیث کے مفہوم پر عمل کرنے کی گنجائش ہوگی یعنی شفا کی نیت سے کسی مومن کے پس خوردہ کا استعمال جائز ہوگا۔ **"ريق المؤمن شفاء" ليس بحديث؛ ولكن معناه صحيح، ففي الصحيحين كان النبي ﷺ إذا اشتكى الإنسان الشيء إليه أو كانت به فرحة أو جرح قال بإصبعه –سبابته بالأرض– ثم رفعها له وقال باسم اللّٰه تربة أرضنا، بريقة بعضنا، يشفي لسقيمنا بإذن ربنا إلخ** (کشف الخفاء، ۴۹۸/۱، رقم: ۱۴۰۵، ط: المكتبة العصريّة) نیز دیکھیں: اللآلی المنثورة: (ص:۳۹۷) **فقط واللّٰه تعالیٰ اعلم بالصواب**

محمد اسد اللہ غفرلہ
دارالافتاء دارالعلوم دیوبند
۱۴۳۹/۲/۲۱ھ=۲۰۱۷/۱۱/۱۱ء شنبہ

الجواب صحیح:
زین الاسلام قاسمی الہ آبادی، محمد نعمان سیتاپوری غفرلہ
مفتیانِ دارالافتاء، دارالعلوم دیوبند

==========

نئی کتابیں

نام کتاب : حج وعمرہ کے مشکل مسائل مع آسان طریقۂ حج وعمرہ
مؤلف: جناب مولانا حسین احمد صاحب ہریدواری، استاذ دارالعلوم دیوبند
صفحات : ۲۲۴ قیمت: درج نہیں
تبصرہ نگار : محمد سلمان بجنوری

حج وعمرہ یا زیارت حرمین کسی بھی مسلمان کے لیے زندگی کی عظیم سعادت ہے، چنانچہ ہر سال لاکھوں مسلمان اس سعادت سے بہرہ ور ہوتے ہیں؛ لیکن افسوس کا مقام ہے کہ اُن میں ایک بڑی تعداد مسائل سے ناواقفیت کی بنا پر نیکی برباد گناہ لازم کا مصداق بن جاتی ہے، بہت سے حج یا عمرہ کرنے والوں سے ایسی غلطیاں ہوجاتی ہیں کہ ان کا حج یا عمرہ درست ہی نہیں ہوتا اور سارا سفر بیکار ہوجاتا ہے۔ اس لیے شدید ضرورت ہے اس بات کی کہ عازمین حج وعمرہ کو صحیح مسائل سے واقف کرایا جائے۔ اس مقصد کے لیے حضرات علماء کرام نے ہر دور میں اس موضوع پر کتابیں لکھی ہیں۔ زیرنظر کتاب بھی اسی سلسلہ کی ایک مبارک کڑی ہے۔

اس کتاب کے مؤلف رفیق محترم جناب مولانا حسین احمد زید مجدہم، دارالعلوم دیوبند کے ایسے فاضل استاذ ہیں جن کو تدریسی تجربہ کے ساتھ تحریری خدمات کی بھی توفیق ارزانی ہوئی ہے؛ چنانچہ ان کے قلم سے متعدد کتب درسیہ کی شروحات اور علمی وفنی کتب وجود میں آچکی ہیں۔ موصوف نے ہدایہ کی تدریس کے دوران کتاب الحج پڑھاتے ہوئے اس موضوع پر لکھنے کی ضرورت محسوس کی اور ماشاء اللہ یہ کتاب وجود میں آگئی۔

اس کتاب کے استناد کے لیے اتنی بات کافی ہے کہ اس پر مخدومنا حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی صاحب دامت برکاتہم مہتمم دارالعلوم دیوبند اور مخدومنا حضرت مولانا سید ارشد مدنی صاحب دامت برکاتہم محدث دارالعلوم دیوبند نے نظر ثانی کے بعد تقریظ تحریر فرمائی ہے۔

کتاب پر نظر ڈالنے سے اس کی تین خصوصیات بے ساختہ نظر میں آگئیں:

(۱) کتاب کی زبان نہایت آسان اور عام فہم ہے۔

(۲) اس کتاب میں اُن ستر صورتوں کو یک جا بیان کردیا گیا ہے جن سے حاجی پر دم واجب ہوجاتا ہے۔

(۳) خواتین سے متعلق مسائل کو یک جا بیان کردیا گیا ہے۔

مجموعی اعتبار سے یہ کتاب اس موضوع پر ایک مفید اضافہ ہے، اللہ رب العزت اس کو عوام وخواص میں قبولیت سے نوازے، آمین۔

احوال وکوائف

از: مولانا محمد اللہ قاسمی
شعبۂ انٹرنیٹ، دارالعلوم دیوبند

دارالعلوم سیاسی معاملات اور حالات پر کبھی تبصرہ نہیں کرتا

مئی میں کیرانہ کی لوک سبھا سیٹ اور نور پور کی ودھان سبھا سیٹ کے ضمنی انتخابات کی سیاسی ہلچل کے درمیان بعض ٹی وی چینلز اور اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی کہ دارالعلوم دیوبند نے ''بی جے پی'' کے خلاف ووٹ دینے کا فتوی جاری کیا ہے۔ سیاسی اور سماجی طور پر اس حساس اور نازک مسئلہ پر دارالعلوم دیوبند کے قائم مقام مہتمم حضرت مولانا عبدالخالق مدراسی نے فوری طور پر سخت نوٹس لیتے ہوئے اس بے بنیاد الزام کی تردید اور مذمت کی۔ انھوں نے فرمایا کہ ضمنی انتخابات کے سلسلہ میں دارالعلوم دیوبند کی طرف منسوب کرکے جو بیان یا فتوی چند ٹی وی چینلز اور میڈیا کے ذریعہ نشر کیا جارہا ہے وہ قطعی غلط اور شرارت پر مبنی ہے، ہم وضاحت کردینا چاہتے ہیں کہ ضمنی انتخابات کے سلسلہ میں کسی کو ووٹ دینے یا نہ دینے کے سلسلہ میں کوئی بیان یا فتوی دارالعلوم دیوبند نے جاری نہیں کیا ہے، دارالعلوم دیوبند ایک غیر سیاسی دینی تعلیمی ادارہ ہے، ادارہ کسی بھی طرح کے سیاسی معاملات اور حالات پر کبھی تبصرہ نہیں کرتا، سیاسی بیان بازی اس ادارہ کا شیوہ نہیں ہے، جب تک کوئی شرعی مسئلہ درپیش نہ ہو سیاسی وسماجی معاملات پر کوئی فتوی بھی جاری نہیں کیا جاتا، فتوی از خود نہیں بلکہ استفتاء پر جاری کیا جاتا ہے۔ انھوں نے کہا کہ جن ذرائع ابلاغ نے یہ غیر ذمہ دارانہ حرکت کی ہے ہم ان کے خلاف قانونی کارروائی پر بھی غور کررہے ہیں۔

دارالعلوم میں امتحان داخلہ کی کارروائیاں

تعطیل رمضان کے اختتام کے ساتھ ہی دارالعلوم میں نئے داخلوں کے سلسلہ میں کارروائیوں کا آغاز ہوگیا ہے۔ اس سال درجات عربیہ اور تجوید وقرأت وغیرہ میں امتحان داخلہ میں شریک ہونے

کے لیے تقریباً تیرہ ہزار طلبہ نے فارم شرکت جمع کیے۔ طے شدہ طریقۂ کار کے مطابق اس سال تمام عربی درجات میں پہلا پرچہ موقوف علیہ رکھا گیا جس میں کامیابی کے بعد ہی طالب علم دیگر کتابوں کا امتحان دینے کا مجاز قرار دیا گیا۔ امتحان داخلہ کا انتظام شیخ الہند لائبریری کے وسیع وعریض دارالامتحان میں کیا گیا تھا۔ مولانا مفتی عبداللہ صاحب معروفی ناظم امتحان جب کہ مفتی عثمان غنی صاحب ہاوڑوی ناظم طباعت تھے۔ صدرالمدرسین حضرت مولانا مفتی سعید احمد پالن پوری اور مہتمم دارالعلوم حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی کی سرپرستی میں قائم مقام ناظم تعلیمات اور اساتذۂ دارالعلوم کے علاوہ دفتر تعلیمات کے مستقل اور اضافی عملہ کی شب وروز کی محنت سے امتحان داخلہ کی کارروائیاں حسن وخوبی کے ساتھ جاری رہیں۔ تحریری امتحان کی ہزار ہا ہزار کاپیوں کی جانچ اور تقریری امتحان کے لیے اساتذۂ دارالعلوم کے علاوہ ملک کے مختلف اہم مدارس کے حضرات اساتذہ کو بھی دعوت دی گئی تھی۔ امید ہے کہ اس سال تقریباً دو ہزار نئے طلبہ کا داخلہ لیا جائے گا جب کہ قدیم طلبہ کو حسب ضابطہ ترقی دی جائے گی اور دورۂ حدیث وتکمیلات سے فارغ ہونے والے طلبہ کو امتحان سالانہ کے نمبرات کی بنیاد پر تکمیلات اور تخصص کے درجات میں داخلہ دیا جائے گا۔ داخلہ کی ضروری کارروائیوں کی تکمیل کے بعد ماہ شوال کے آخری ہفتہ میں تعلیمی سلسلہ شروع ہوجائے گا۔

❁ ❁ ❁